جلد 19 شمارہ 6 ماہ جون 2017ء رمضان المبارک 1438ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

الله

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رح
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری
0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ
0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ ومدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے
سالانہ فنڈ 300/- روپے

﴿اس شمارے میں﴾

درس حدیث: اللّٰہ سے محبت

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

﴿عَن عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلاً سَرِیَّۃٍ فَکَانَ یَقْرَءُ لِاَصْحَابِہٖ فِیْ صَلَاتِھِمْ بِقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَکَرُوْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ سَلُوْہُ لِاَیِّ شَیْیٍ یَصْنَعُ ذَالِکَ؟ فَسَاءَ لُوْہُ فَقَالَ لِاَنَّھَا صِفَۃُ الرَّحْمٰنِ فَاَنَا اُحِبُّ اَقْرَاءَ بِھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَخْبِرُوْہُ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّہٗ﴾

(رواہ بخاری، مسلم)

ترجمہ : "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ایک مختصر سے لشکر کا ذمہ دار بنا کر بھیجا۔ یہ سربراہ اپنے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھاتے تو ہمیشہ "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد" پر ہی اپنی قرأت ختم کرتے۔ جب یہ لشکر کے لوگ مہم سے واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ سے ان لوگوں نے اپنے ذمہ دار کی اس بات کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، ان سے پوچھو وہ ایسا کس لئے کرتے تھے، لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی تو اس شخص نے جواب دیا کہ اس سورۃ میں چونکہ رحمان کی تعریف بیان کی گئی ہے، اس لئے مجھے اس کا پڑھنا بہت ہی محبوب ہے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ان کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے گہری محبت ایمان کا لازمی تقاضا اور دل کش علامت ہے۔ اللہ کو پہچاننے والا جانتا ہے کہ وہی اس کا سب سے بڑا محسن ہے۔ وہی اس کی اُمیدوں کا مرکز ہے۔ وہی اس کا سہارا ہے۔ اس لئے وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کو چاہتا ہے۔ اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور شعور کے ساتھ اس پر ایمان رکھتا ہے، خود قرآن پاک میں بھی یہ بات کہی گئی ہے:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلّٰہِ (''اور ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں'')

سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد میں خداوند عالم نے اپنی توحید اور بے مثال صفت اور کمالات کا بہت مؤثر انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے اللہ سے محبت رکھنے والا اس سورہ سے خصوصی شغف رکھتا ہے اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے یہ بزرگ صحابیؓ چاہتے تھے کہ ہر نماز میں اپنے محبوب ربّ کے صفات و کمالات کو یاد کریں اور اس ذکر سے اپنے مشتاق دل کیلئے تسکین کا سامان کریں۔

دراصل ایمان ایک معنوی چیز ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ بڑھ کر ہے، مگر یہ حلاوت اسی خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے اور ایسے ہی بندے کو اللہ اپنا محبوب بناتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ کے مقابلے میں دوسری چیزوں کو محبوب بنائے ہوئے ہے، اسے اللہ تعالیٰ وارننگ دیتا ہے کہ ٹھہرے رہو، یہاں تک اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔'' (**سورۃ توبہ**) محبت قربانی چاہتی ہے اور محبت میں قربانی تلخ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ سراسر لذّت و چاشنی ہوتی ہے۔ محبت ایک قلبی کیفیت ہے، جو نہ دیکھی جاسکتی ہے اور نہ دکھائی جاسکتی ہے۔ البتہ عمل کی دنیا میں اپنے لازمی تقاضوں کے ذریعے اس کی شہادت ملتی اور اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

جس طرح اس قابلِ رشک بندے کی طرح اللہ سے والہانہ محبت کا ثبوت سورۂ اخلاص سے غیر معمولی شغف کے ذریعے فراہم ہوا۔ قرآن پاک میں اللہ کی محبت کی شہادت کیلئے ایک اور عمل کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو ضروری ہے کہ تمہاری زندگی میں یہ عمل پایا جائے اس کے بدلے اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ○ (آلِ عمران)

ترجمہ: ''اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔''

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو رسول اکرم ﷺ کی پیروی کر کے اس دعویٰ کا ثبوت دو، اور یہ ثبوت دو گے تو اللہ کی نظر میں تمہارا دعویٰ قابل قبول ہو گا اور اس کے جواب میں وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

اللہ تعالیٰ جس خوش نصیب بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے تو پھر اس پر یہ کرم بھی فرماتا ہے کہ زمین میں بسنے والے صالحین کے دلوں میں بھی اس کی محبت بھر دیتا ہے اور آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں وہ زمین والوں کا بھی محبوب بن جاتا ہے اور آسمان والوں کا بھی۔
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، اور حضرت جبرائیلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور عالم آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس بندے کیلئے زمین والوں کے دلوں میں قبولیت اور عقیدت پیدا کر دی جاتی ہے۔ (رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک لازمی علامت اللہ کے بندوں سے محبت بھی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک بندے کے دل میں اللہ کی محبت تو ہو لیکن اللہ کے بندوں کی محبت نہ ہو، یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب آپ کو کسی سے محبت ہو گی تو اس کے عزیزوں سے لازماً محبت ہو گی۔ اور ایسے قابل رشک بندے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب کسی بندے نے اللہ کیلئے کسی بندے سے محبت کی تو اس نے اپنے عزت و جلال والے ربّ ہی کی تعظیم و توقیر کی۔ **(مسند احمد)**

عقل سلیم، قلب سلیم

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

عقلِ سلیم:

خدا کی عطاء کردہ بے شمار نعمتوں میں عقل بھی ایک بڑی نعمت ہے اور انسان وحشت اور بربریت کی زندگی سے تہذیب وتمدن کی موجودہ بلندیوں تک اسی کی مدد سے پہنچا ہے۔ عقل نے اس کو اس مقام تک جس طرح پہنچایا وہ بہت ہی دل چسپ اور بصیرت افروز داستان ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ انسان نے اپنی پیدائش سے آج تک سفرِ ہستی کا جتنا راستہ طے کیا ہے اس میں عقل نے ایک لمحہ بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سارا راستہ انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلایا اور ہر ہر قدم پر بتایا کہ اس ماحول میں جتنی چیزیں بھی ہیں ان میں سے یہ تیرے لئے مفید ہیں اور یہ مضر۔ یہ حیات آفریں ہیں اور یہ مہلک۔ یہ عقل ہی ہے جس نے ماکولات ومشروبات میں مفید ومضر اشیاء کا نہ صرف تعین کیا بلکہ ان کی مضرت اور افادیت کے درجات بھی مقرر کئے۔ یہ عقل ہی ہے جس نے ملبوسات ومکانات میں ہر ماحول اور آب وہوا کے مطابق طرح طرح کی ایجاد واختراع کر کے ان کو انسان کیلئے آرام دہ بنایا۔ یہ عقل ہی ہے جس نے زراعت، تجارت اور باربرداری کے نئے سے نئے وسیلے ایجاد کئے اور انسان کو آبادیوں میں مل جل کر رہنے کے طور طریقے سکھائے۔

الغرض عقل ہی نے انسان کو پالا پوسا اور بڑا کیا۔ اور آج بھی جب کہ وہ عنفوان شباب کے آستاں پر قدم رکھ چکا ہے، اس دایہ مہربان نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ آج بھی انسان کی انگلی اسی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ آسمانی سفر کی تیاری کر رہا ہے۔

عقل کے دو مدارج ہیں: پہلا عقل صمیم اور دوسرا عقل سلیم۔ اب تک جو کچھ بھی عقل نے کیا وہ اس سطح زمین پر مادّی اسباب و وسائل کے ذریعہ انسان کی بقاء اور ترقی کے لئے تھا یہ سب کام تھا عقل صمیم کا، لیکن انسان صرف گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے ہی کا نام نہیں۔ اس کے خمیر میں مادّی اجزاء کے علاوہ کچھ مابعد الطبیعاتی تقاضے اور ماورائی تمنائیں بھی ہیں۔ ان تقاضوں کو پورا کرنا اور ان تمناؤں کے حصول میں مدد دینا عقل سلیم کا کام ہے۔ یہ تقاضے اور تمنائیں بہت سی ہیں، یہاں صرف دو بنیادی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

اوّل یہ کہ ہر انسان بلا استثنیٰ یہ چاہتا ہے کہ اسے اطمینان قلب نصیب ہو۔ رنج و الم اس کے نزدیک بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ خوشی اور مسرت کی زندگی بسر کرے۔

دوم یہ کہ انہی انسانوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو ہر وقت، ہر شئے اور ہر بات کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کے در پے رہتا ہے اور اسکے دل میں ہر وقت یہ آوازیں اُٹھتی ہیں: میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا؟ میرے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کا بنانے والا کوئی ہے یا نہیں ہے؟ ہے تو وہ کہاں ہے، کیسا ہے اور اپنی مخلوق سے اس کا تعلق کس طرح قائم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان میں سے شق اوّل کے لئے ایک ایسے نظام اخلاق کی ضرورت ہے۔ جس کا پابند رہ کر انسان امن و امان کی زندگی بسر کر سکے۔ یہ نظام اخلاق کیا چیز ہے اور اس کی غرض و غائیت کیا ہے؟ دنیا میں کوئی آدمی بھی تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہر شخص مجبور ہے کہ احتیاجات زندگی

کے حصول اور جذبات کی تسکین کیلئے دوسروں سے مدد لے اور میل جول پیدا کرے۔اس کے ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت فطرتاً اور تربیتاً دوسروں سے کسی نہ کسی قدر مختلف اور بعض اوقات بالکل متضاد ہوتی ہے۔اس واسطے جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو تصادم ہو جاتا ہے۔ جس سے عناد،فساد اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات نوبت قتل و غارت تک پہنچتی ہے۔ یہ چیز نوع انسانی کی فلاح و بہبود اور ترقی و بقاء کے لئے سم قاتل ہے۔اس لئے ناگزیر ہوا کہ کوئی طریقہ اور راستہ دریافت کیا جائے کہ یہ اختلافات اور فتنہ وفساد بالکل ختم نہ ہوسکیں تو اس حد تک کم ضرور ہو جائیں کہ تخریب و تباہی کا خوف جاتا رہے۔یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ انسانی افعال و اعمال میں زیادہ سے زیادہ یکسانیت نہ پیدا ہو۔اس موقع پر جب فکر عاجز ہونے لگی تو عقل سلیم نے آگے بڑھ کر دستگیری کی اور انسان کے تمام اعمال و افعال بلکہ حرکت وسکون تک سب دو حصوں میں بانٹ دیا اور بتلایا کہ دیکھو حصہ اوّل میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب خیر کہلاتی ہیں اور حصہ دوم میں جو کچھ ہے اس کو شر کہتے ہیں۔جو چیزیں خیر ہیں، وہ انسان کی ترقی و تعمیر، بقاؤ بہبود، خوشی و خوشحالی اور اطمینان وسکون کا موجب ہوتی ہیں اور جتنی چیزیں شر ہیں وہ تنزل و تخریب، ہلاکت و تباہی، فلاکت و افلاس اور انتشار و الم کا سبب بن جاتی ہیں۔اس لئے خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو۔اگر تم میرا کہنا مانو گے تو قیامت تک پھولو پھلو گے اور خدا کی لامحدود نعمتوں سے متمتع ہو گے۔نہ مانو گے تو فناء ہو جاؤ گے اور فنا نہ بھی ہوئے تو وحشت و بربریت کی زندگی بسر کرو گے۔چنانچہ جن قوموں نے عقل سلیم کے مشورہ پر جتنا زیادہ عمل کیا، دوسری قوموں سے اتنی ہی زیادہ معزز ہوئیں اور آسائش و آرام سے رہیں۔جنھوں نے نہ مانا وہ خراب و خوار ہوئیں اور آج تک ہیں۔یقین نہ آئے تو وحشی قبائل کی حالت دیکھ لو۔

غور کرو تو یہ نظام اخلاق وہی قانون الٰہی ہے جو مذہب پیش کرتا ہے۔عقل سلیم کا م نظام

،اخلاق کی تدوین پر ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ہمیشہ دو بہت ہی اہم امور میں مصروف رہتی ہے۔

دوسری شق میں جتنے بھی امور ہیں وہ سب مابعد الطبیعات اور ماورائی ہیں اور اس راہ کا مسافر تو عقل سلیم کی مدد کے بغیر دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ مگر اس میدان میں عقل سلیم آخری منزل تک سالک کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ تاہم وہ اس کو صراط مستقیم پر ڈال کر ایک ایسے آستان قدسی تک پہنچا دیتی ہے، جس میں داخل ہونے کے بعد ہر مشکل آسان اور ہر راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس کا کام اور فلسفہ کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں جا سکتی اور بے اختیار پکار اٹھتی ہے:

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اس آستاں سے آگے راستہ قلب سلیم کی معیت و راہنمائی میں طے ہوتا ہے، مگر وہ بھی آخری منزل تک ساتھ نہیں دے سکتا۔ راستے ہی میں تھک کر بیٹھ جاتا ہے پھر کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کیلئے کسی زبان میں بھی کوئی لفظ نہیں ہے، لہٰذا خاموشی ہی آخری جواب ہے۔

قلب سلیم:

یہ نعمت تصور کی بدولت انسان کو ملتی ہے اور جو انسان کو فرشتوں سے بھی افضل بنا دیتی ہے، قلب سلیم ہے۔ قلب سلیم سے انسان کو کیا کیا ملتا ہے، یہ الفاظ میں نہیں بتایا جا سکتا، صرف کر کے دیکھنے سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ تاہم اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ مدت دراز تک عبادت، مجاہدہ، تزکیہ اخلاق اور ذکر و فکر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کا قلبی تعلق ساری دنیا سے قطع ہو کر صرف اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔ یعنی بمصداق: **وَتَبَتَّل الیہ تبتیلا** وہ سب کو چھوڑ کر اللہ کا ہو رہنا ہے۔ اللہ سے اس کی قوی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔ ہر امر میں اس کو اللہ سے براہ راست ہدایت ملنے لگتی ہے،

اوروہ خیروشر کی پہچان اوراپنے حقوق کی بجا آوری میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔دنیا کے جتنے انفرادی یا اجتماعی مسائل اسے پیش آتے ہیں سب کو کما حقہٗ سمجھتااور ہمیشہ صحیح فیصلہ کرتا ہے۔جتنے آدمی اس سے ملتے ہیں ان میں سے جو ملنے کے قابل نہیں ہوتے اس کا دل ان کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا۔باوجوداس کے وہ ان سے بھی بڑے پیاراور اخلاق سے ملتا ہے اور جو خدمت ممکن ہواس سے گریز نہیں کرتا۔قلب سلیم کی برکتیں کہاں تک گنوائی جائیں۔مختصر یہ ہے کہ صاحب قلب سلیم براہ راست اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں آجاتا ہے اور ہر قسم کے مضرات و مہلکات سے بچا رہتا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسی سے آدمی کا دنیااور اُمور دنیوی سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں رہتا۔وہ دنیا کے سارے کام اسی طرح کرتا ہے جیسے ایک غیر صوفی اور عام نیک آدمی کرتا ہے۔یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کو کسی رنجیدہ بات کا رنج اور خوش کن بات کی خوشی نہیں ہوتی۔یا غریبوں،بیماروں اور بے کس ولاچار آدمیوں کودیکھ کراس کا دل نہیں دُکھتا۔

لیکن کوئی تاثر بھی دو چار منٹ سے زیادہ نہیں رہنے پاتا اوراس قلیل عرصہ میں بھی وہ خدا سے غافل نہیں رہتا۔اس کی حالت بالکل حرف مشدّد کی سی ہوتی ہے کہ ایک طرف مخلوق میں شامل ہوتا ہے تو دوسری طرف اللہ سے واصل رہتا ہے۔کیااس سے زیادہ نعمت ایک انسان کیلئے اور بھی کوئی ہوسکتی ہے!اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی قلب سلیم عطا فرمائے۔آمین!

(اقتباس از چراغِ راہ خطبہ :۳)

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: **سید رحمت اللہ شاہ**)

بابا جانؒ سے بات چیت چل رہی تھی۔بین الاقوامی حالات پر بات ہونے لگی۔ ایک بھائی نے کہا کہ اب امریکہ ملائشیا اور انڈونیشیا کونشانہ بنارہا ہے کہ وہاں فرقہ ورانہ تضادات شروع کرائے جائیں۔میں ایک رپورٹ پڑھ رہا تھا اس میں یہ ذکر تھا۔اس رپورٹ میں یہ لکھا تھا کہ پاکستان کا کانٹا نکل چکا ہے۔اب انڈونیشیا اور ملائشیا کی باری ہے۔

بابا جانؒ فرمانے لگے: امریکہ پہلے اپنی تو خیر منائے۔کہیں اپنا ہی کانٹا نہ نکال بیٹھے۔ وہ عراق میں بھی آئے ہیں،اب دیکھ لیں وہاں کیا حال ہے؟

بھائی نے کہا: بابا جان وہاں سے وہ تیل نکالتے رہے ہیں۔

بابا جانؒ نے فرمایا: یہ تیل نکالنے والی بات نہیں ہے۔ان کو یہ زعم تھا شاید کہ ہم ایسے ہی قبضہ کرلیں گے۔اتنا آسان کام نہیں ہے دنیا کو Change کرنا۔It is not that.اب یہ ان کو Change کرلیں گے۔وہ Politicians بھی نہیں ہیں۔They are not politicians.ان میں سیاست بھی نہیں ہے۔اندھی Force ہے،بس قوت ہے جو ہمارے پاس ہے۔کوروں کا چھوٹا سا ملک تھا۔کسی نے کہا تھا کہ میرے انگوٹھے کے نیچے آجاتا ہے۔

آبادی اس کی بھی چند کروڑ ہی تھی۔ یہاں انڈیا میں صرف ایک ملک کی آبادی بتیس (۳۲) کروڑ تھی۔ یہاں ساٹھ (۶۰) ہزار انگریز تھے لیکن اس طرح وہ سب کو چرا رہے تھے جیسے بھیڑوں کو ایک بندہ ڈنڈا لے کر چراتا ہے۔ ذہنی طور پر وہ اتنے ہم سے اوپر اور ہم ان سے نیچے تھے۔ ہمارے ہی فوجی تھے۔ ہمارے ہی سپاہی تھے۔ ہمارے اوپر DC، کمشنر، اور SP انگریز تھے، باقی سارے مقامی سپاہی ہوتے تھے۔ وہ اسی سے ہم پہ Rule کرتا رہا۔ کسی کو کوئی لڑائی نہیں کرنے دی۔ سکھوں کو، ہندوؤں کو، اور سب کو اپنے اپنے شہروں میں رکھا۔ کوئی جھگڑا نہیں کرنے دیا۔ عدل و انصاف کو بوڑھے آج بھی یاد کرتے ہیں۔

آدھی دنیا ان کے قبضے میں تھی۔ کہتے ہیں کہ سورج بھی ان کی سلطنت سے غروب نہیں ہوتا تھا۔ اتنی وسیع مملکت تھی۔ وہ دنیا کے اس کونے میں ہیں۔ North میں۔ ہم دنیا کے South میں ہیں۔ ہمارے نیچے سمندر ہے۔ ان کے پار کچھ بھی نہیں، ہمارے نیچے South pole ہے۔ وہاں سے آ کر ادھر Rule کرتے تھے۔ چھاؤنیاں بنائیں اور کیا کچھ بنا گئے۔ ریلوے اور نہروں کے Networks اور کیا کچھ!!! آپ نے کیا کچھ بیچا ہے پاکستان بنا کے۔ پچاس (۵۰) سال، ساٹھ (۶۰) سال۔ کتنے سٹیشن بند کیے ہیں۔ کتنی لائنیں بند کی ہیں۔ انجن بھی بند ہو گئے ہیں۔ آپ نے کیا کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ لوٹ کے لے گئے۔ کیا لوٹ کے لے گئے؟ لُوٹنے والی کون سی چیز تھی جو لُوٹ کے کھا گئے ہیں؟ کیا لُوٹ کے کھا گئے ہیں؟ سب سے بڑا نہروں کا جال بچھا کے دے گئے ہیں۔ سب سے بڑی ریلوے لائنیں بنائی ہیں۔ پہاڑوں کو کھود کھود کے انہیں بنایا ہے۔ بڑا زبردست تھا۔ بڑے قابل لوگ تھے۔ جب دیکھا کہ غلط ہو رہا ہے تو باعزت طور پر Salute لے کر یہاں سے گئے۔ انہوں نے Commonwealth بنا دی۔

غلام یہاں سے دوڑے دوڑے جاتے ہیں، انہیں بتاتے ہیں جا کے کہ ہم سابقہ

غلام ہیں مگر نام Commonwealth رکھ دیا ہے۔آپ نے زیادتی کی ہے۔سب دنیا سے نکلے اور آرام سے نکلے۔لڑنے مرنے کی نوبت نہیں آئی۔مطلب یہ کہ وہ (برطانوی انگریز) تو عقل مند قوم تھی، یہ (امریکی) تو بس ایسے ہی ہیں۔اُنہوں نے یہاں سو ڈیڑھ سو سال حکومت کی۔اِنہیں دیکھتے ہیں کہ یہ کتنا چلتے ہیں۔ Russia تو پچاس (۵۰)، ساٹھ (۶۰)، یا ستر (۷۰) سال تک لے گیا اور Collapse ہو گیا۔یہ (امریکہ) دیکھیں کتنا وقت لگاتا ہے۔ ان کا تو اپنا ہی کانٹا نکل جاتا ہے کہ چلو چلتے ہیں اب یہاں سے۔عراق بھی فتح ہو گیا ہے۔ اب وہاں بھی یہ دیکھ لیں۔افغانستان بھی فتح ہو گیا ہے۔چلو جی یہاں سے چلئے۔

آج کوئی دس ہزار فوجی ہیں یہاں اگلے سال پتہ نہیں کہ کتنے ہزار فوجی رہ جائیں گے۔ افغانی بھی ایک قوم ہیں۔جتنی دیر رہو گے تو یہ اسے چلائیں گے۔یہ آج جاتا ہے تو دیکھو پیچھے یہ کرزئی کا کیا حال کرتے ہیں۔اس نے تمہارے پیچھے، تم سے پہلے ہی امریکہ پہنچ جانا ہے۔ اس نے پہلے جانا ہے، وہاں جو ہوٹل چل رہا ہے اسے جا کے چلائے گا۔چغہ اتار کے انہیں دے دے گا کہ یہ لو جی اپنا چغہ، اسے تم ہی لو۔یہ چغہ پہن کے اور ٹوپی پہن کے کوئی امیر المؤمنین نہیں بن گیا۔یہ سب سے پہلے جائے گا۔وہ امریکی آئے تھے تو انہوں نے اس کو اپنے ساتھ رکھا ہے افغانستان میں جو کبھی کسی سے Rule نہیں ہوا۔

انگریزوں نے بھی، سیانی قوم تھی، انہوں نے انہیں ہاتھ لگا کے چھوڑ دیا کہ بس ادھر ہی رہو۔ان کو رہنے دو۔یہ تمہارے قابو میں نہیں آئیں گے۔قبائلی علاقہ بھی زیادہ تر جب ان افغانیوں نے انگریزوں سے لے لیا تو انہوں نے کہا کوئی بات نہیں ہم نے بس یہیں رہنا ہے۔ انگریز بڑی عقل مند قوم تھی۔اللہ نے انہیں بڑا علم دیا تھا۔انہوں نے اس علم کو پھیلایا پھر۔ پاکستان کے پاس آج جو بھی قابلیت ہے یہ اور وہ جو بھی Specialization ہے یہ ان کی

بتائی ہوئی ہے۔ان کی سکھائی ہوئی ہے۔آرمی کوٹریننڈ کیا،ادارے بنائے،یہ سارا کچھ ان کا ہے۔ ہمارے یہاں یہ نواب اور بادشاہی،یہ سات ہزاری اور دس ہزاری کتوں کی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ گھوڑوں کی لڑائیاں اور میچ ہوتے تھے۔دنیا کا پتہ ہی نہیں ہے کہ کہاں جارہی ہے،مار تو کھانی تھی۔ مار کھانے کے پورے اسباب موجود تھے۔

کمزوری جو ہے یہ مرگِ مفاجات تو ہے ہی۔وہ توگنیں لے کر آئے تھے،اب ان کا مقابلہ تو نہیں ہوسکتا تھا۔خدا نے وہ کہا ہوا ہے ناں کہ تیار رکھو گھوڑے اور وہ طاقت کہ دشمن پر ہیبت طاری رہے۔کیسے ہیبت طاری رہے؟ ہیبت تب طاری رہے گی کہ اسلحہ بہتر ہو اور زیادہ ہو۔ تب ہیبت طاری رہے گی۔جب جنگ لگتی ہے تو اس وقت یہ آیت لا کے لکھ دیتے ہیں کہ چھٹی سورت اور ساٹھویں آیت یہ کہتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُم بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْن . (سورۃ الانعام ۶: آیت ۶۰)

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کردیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیے تھے کہ تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہہ رہی تھیں پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کردیا اور ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کردیں۔"

کہتے ہیں کہ چودہ (۱۴) اور پندرہ (۱۵) دن ہوگئے ہیں۔گن گن کے گزارتے ہیں کہ آج پندرہ (۱۵) دن ہوگئے ہیں۔بڑی مشکل سے دن گزارتے ہیں اور صلح کر لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ معافی مانگ لو تو یہ معافی مانگ لیتے ہیں کہ یہ لو جی! بڑے خوش ہوجاتے ہیں کہ

معافی مانگ لی۔معافی مانگ لی تو پھر کیا ہو گیا؟ وہاں کام نہ ہوا تو کہا "ڈر رفٹے منہ"۔ تم کہہ لو مجھے "رفٹے منہ" تو پھر کیا ہو گیا۔کہتے ہیں کہ جی معافی مانگ لی ہے۔بڑے خوش ہیں کہ ہم معافی مانگنے والوں میں سے ہیں۔یہاں بندے جو ہیں ہمارے وہ مر گئے۔ماؤں کے بیٹے مر گئے۔بیویوں کے خاوند مر گئے۔ان کے لئے تمہاری معافی کیا کرے گی؟ یہاں دن گنتے ہیں کہ ہم نے پندرہ (۱۵) دن نکال دیے، اب سولہواں (۱۶) دن ہے۔آج یہ ہو گیا اور آج وہ ہو گیا۔

یہاں ڈرون بم گراتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس میں NATO کی غلطی نہیں تھی۔غلطی کیا نہیں تھی؟ وہ آسمان سے فرشتے بم گرا کے گئے ہیں؟ غلطی نہیں ہے۔اب انکوائری ہو گی۔کیا مطلب؟ اُدھر انکوائری ہو گی کہ بندے مرے بھی ہیں کہ نہیں؟ کیا یہ انکوائری ہو گی؟ بندے مر گئے ہیں۔انکوائری کی کیا بات ہے؟ یہ بندے آپ ہی مر گئے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا قبل از وقت ہے، ہم کسی کو Blame نہیں کر سکتے۔ہم نے آپ ہی بندے مارے ہیں؟ ہمارے ٹرک چرا کے لے گئے۔یہاں ان کے ٹرک چرا لیے جاتے ہیں۔یہاں بندے مر گئے ہیں اور وہ انکوائری کر رہے ہیں۔انکوائری بھی آپ ہی کر رہے ہیں۔آپ ہی اپنے حساب لگاتے ہیں کہ کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا؟

سادی سی بات ہے۔انہوں نے نہیں مارے تو ہم نے آپ ہی مارے ہیں، ان پر مقدمہ بنوانے کے لئے۔کرتے ہیں ہمارے بھائی ایسے کہ ٹانگ توڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں مقدمہ کے لئے کہ انہوں نے ہماری ٹانگ توڑ دی ہے۔ٹانگ توڑی، رپورٹ کرائی کہ مقدمہ کرا دو۔اپنی ٹانگ توڑ لیتے ہیں۔یہاں بندے مر گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انکوائری ہو گی۔انکوائری آپ کر رہے ہیں۔آپ ہی وہ اپنے حساب لگاتے ہیں۔خود ہی وہ انصاف کرتے ہیں۔خود ہی سب کچھ بنے ہوئے ہیں کہ جی کیا ہوا؟ کیا ہوا؟

یہ بڑے بے چین ہیں۔ پہلے بڑا پیسہ بچتا تھا ان کو۔انہیں مال آتا تھا وہاں سے۔ Container کئی سامان کے بھرے ہوئے پورے کے پورے یہاں رہ جاتے ہیں۔ یہاں سے نکلتے ہیں،افغانستان جارہے ہیں۔باڑہ میں یہ اتر جاتے ہیں۔ جہاں اترتے ہیں وہاں سے اب کہتے ہیں کہ بارڈر کھل جائے۔تمہارے ملک کا کیا مسئلہ ہے۔ پہلے کیا بے چینی تھی انہیں؟ اس وقت انہوں نے ریمنڈ ڈیوس کو چھڑوانا تھا۔کہتے تھے کہ اسلامی قانون کے مطابق دیت دے دیتے ہیں،معافی مانگ لیتے ہیں۔انہیں پیسوں کا کیا ہے؟ دیت کے مطابق وہ جتنے مانگے،اسے بھلے دس گنا دے دیں کہ لو۔

حاضرین میں سے ایک فرد نے کہا کہ کہتے ہیں کہ ریمنڈ ڈیوس کے پیسے نہیں دیے بلکہ مدعی کو غائب کردیا۔

باباجانؒ نے کہا: چلو یہ ہم نہیں کہتے۔چلو دے دیے۔اس کا ہمیں نہیں معلوم کہ غائب کردیا،ہم ویسے ہی Witness کیے جائیں۔چلو دے دیے۔پھر کیا؟قومیں غیرت مند جو ہوتی ہیں وہ اپنا خون نہیں بیچتیں۔انہیں کہیں ناں ذرا کہ چلو کمزور کمزور سے اپنے بندے دے دو،ہم انہیں مار دیتے ہیں،تمہاری ہماری صلح۔مرے مرے ہی دے دو چلو۔جس قانون کے تحت ریمنڈ ڈیوس کو چھوڑا تھا،یہ بھی اسی قانون کا حصہ ہے کہ خون کے بدلے خون۔اٹھائیس (۲۸) بندے دے دو ہمیں ہم نے گنتی پوری کرنی ہے۔ننگ پورے کرنے ہیں ہم نے۔انہیں مار دیتے ہیں تو تمہاری ہمارے صلح۔پتا چل جائے گا American nation کا کہ کھڑی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔

کوئی نہ کوئی پاگل بندہ ہونا چاہیے جو انہیں ایسے فارمولے دیتا رہے۔بات کرتا رہے۔ آئے نہ آئے کوئی مگر اخبار میں دیتا رہے۔بے شک کوئی مولوی ہی ہو کہ شریعت کے مطابق اس کا

یہ حل بنتا ہے، بتاتا رہے کہ ہمارے ہاں خون کا بدلہ یہ ہے۔ قانون ہے، اس پر بھی عمل ہو۔ پاکستان میں اس پر عمل ہونا چاہیے۔ یہاں پر کہتے ہیں کہ ہم نے صلح کر لی ہے۔ بات چیت ہو رہی ہے، باقی لوگ بھی جلد صلح کر لیں گے۔ اُن کی بات پر صلح کریں گے تو ہو گی ورنہ نہیں ہو گی۔

حاضرین میں سے ایک بھائی نے کہا: ہمارا اپنا Loss بہت زیادہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ NATO containers کے گزرنے سے کتنی اربوں کی سڑکیں ٹوٹی ہیں۔

بابا جانؒ نے فرمایا: یہ تو نہ کہ اب وزن پڑا ہے تو آپ سڑکیں گننا شروع کر دیں۔ اس سے پہلے خود جو گزارتے رہے ہو، اس وقت نہیں ٹوٹیں؟ اب سڑک ٹوٹنے لگی ہے۔ یوں تو آپ لاہور سے راولپنڈی والی بسیں ہی بے شک کھڑی کر لیں کہ پانچ پانچ سو روپے دے کر یہاں سے گزر رہا ہے، آپ روز یہ سڑک خراب کرتے ہیں۔ آپ یہ روز جو ٹیکس لیتے ہیں، پیسہ لیتے ہو ہر جگہ ناکہ لگا کے، اب کہنے لگو کہ بسوں نے سڑکیں خراب کر دی ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ تو بھیڑیے والی بات ہوئی ناں کہ پانی پلید کرتا ہے۔ جب پہلے وہ گزرتے تھے تو پہلے وہ ٹھیک تھے، اب وہ سڑکیں خراب کرتے ہیں۔ وہ مفت تو نہیں جاتے۔ ہم ان سے پیسے لیتے ہیں راہداری کے۔ حکومت انہیں ایسے تھوڑی چھوڑتی ہے کہ سڑک سے گزر جاؤ۔ ایسے نہیں ہوتا۔ They pay. وہ Transit کے پیسے تو دیتے ہیں، جہاں سے وہ چلتے ہیں۔ وہ پیسے تو دیتے ہی ہیں۔ ہم اب سڑکیں گننا شروع کر دیں کہ یہ اب ہمارے کھیتوں میں گھر گئی ہیں۔ آپ انہیں ذرا ٹھیک طرح سے بنوایا کریں۔ ٹھیکے پر نہ بنوایا کریں۔ وہاں جہاں سڑکیں نئی بنی ہوتی ہیں وہاں پہلے ہی ٹائر دھنس جاتے ہیں۔ ٹھیک طرح بنوایا ہو تو یہ باتیں تو نہ ہوں۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: سیّد رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 20.09.1997

السَّلامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ !

اگر چہ آپ سے ملاقات ہوگئی تھی، پھر بھی آپ کے خط میں چند باتیں وضاحت طلب تھیں، اس لئے خط کا جواب ضروری تھا۔

☆......صبح کا وقت اللہ کے قُر ب کے متلاشیوں کے لئے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔احادیث میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت خود پکارتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے طلب کرے اور میں اسے عطاء کروں۔اب تو سائنسی طور پر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ انسان سے اچھی یا بُری شعاعیں نکلتی ہیں جو دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔صبح کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ تمام انسان سوجاتے ہیں۔ وہ جرائم پیشہ بھی جورات کے اندھیروں میں اپنی کاروائیاں کرتے ہیں، وہ بھی اس وقت سوجاتے ہیں اس طرح فضاء منفی شعاؤں سے پاک ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والے جاگ اُٹھتے ہیں اس لئے فضاء میں پریم ہی پریم ہوتا ہے۔نیند کو موت کی بہن کہا گیا ہے۔رات کو نیند اور سکون کے لئے بنایا گیا ہے۔یعنی ہر روز موت اور زندگی کا ریہرسل ہوتا ہے۔صبح کے وقت گویا موت کا دور ختم ہو کر زندگی کا آغاز ہورہا ہوتا ہے۔اس لئے تمام موجودات اور زندہ دل رکھنے والے انسان اس زندگی کے اثرات سے تازگی محسوس کرتے ہیں۔واللہ اعلم!

نسیم صاحب، بہت اچھے بھائی ہیں۔وہ میرے محسن بھی ہیں کہ بانیٔ سلسلہؒ کا انہی نے تعارف کروایا تھا۔ وہ توجہ قبلہ حضورؒ سے لیتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن وہ الحمدللہ سلسلہ میں شامل ہیں اور میں ان کا بیعت نامہ دیکھ کر لکھ رہا ہوں کہ انہوں نے میری بیعت کی ہوئی ہے۔سلسلہ میں ہوتے ہوئے بھی اچھے بھائی تو بانیٔ سلسلہؒ کی تعلیم پر حرف بہ حرف

عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز میں کوتاہی کرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو غصہ پر قابو نہیں پا سکے، کچھ ایسے ہیں جو عملیات اور تعویذ گنڈوں کو بھی تصوف کا جزو سمجھتے ہیں اور اسی چکر میں پھنسے رہتے ہیں اور عمر برباد کر لیتے ہیں، اس طرح مختلف رنگ بن جاتے ہیں۔دوسرے سلسلوں میں ترکِ دُنیا، وحدت الوجود اور تصوّف خفتہ والے لوگ بھی موجود ہیں، ایسے لوگوں سے ملنے والے انہی کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔اس لئے اپنے شیخ کے ساتھ نسبت کو مضبوط رکھنا چاہیے اور توجہ بھی اسی سے لینی چاہیے۔سلسلہ میں یک رنگی قائم رکھنے کے لئے ہی بانیٔ سلسلہؒ نے صرف ایک خلیفہ بنانے کا قانون بنایا ہے۔

☆......انفرادی ذکر کے بعد بھی ختم شریف پڑھنا چاہیے۔جب آپ کی طرف سے بزرگ روحوں کو ثواب پہنچتا ہے تو اُن کی طرف سے روحانی فیض ملتا ہے جو سالک کو روحانی ترقی میں مدد دیتا ہے۔ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ ذکر کرنے کے اضافی فوائد یقینی ہوتے ہیں، یہ نفسیاتی معاملہ بھی ہے، لیکن حالات کی وجہ سے تبدیلی ناگزیر ہو تو کوئی حرج نہیں:

بھا رہو کہ تجزا اس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

آپ ابھی نفی کی مشق نہ کیا کریں۔اس کی بجائے پاس انفاس پر زیادہ توجہ دیں۔جو بھی وقت فارغ ہو اس میں پاس انفاس کرنا چاہیے۔چلتے پھرتے اُٹھتے، بیٹھتے، کالج آتے جاتے، الغرض ہر جگہ اور ہر وقت اللّٰہ - اللّٰہ کرتے رہنا چاہیے۔اصل ذکر تو پاس انفاس ہے۔نفی اثبات تو بقول بانیٔ سلسلہؒ ''بیٹری چارجنگ کا کام کرتا ہے۔تا کہ دل ودماغ پر اللّٰہ کا نام چھا جائے تا کہ پاس انفاس کرنے میں آسانی ہو۔نفی اثبات کے ذکر کے دوران جو وقفے آتے ہیں، ان میں فوراً پاس انفاس شروع کر دینا چاہیے اور ذکر ختم کرنے کے بعد بھی اہتمام کے ساتھ پاس انفاس چلانا چاہیے۔

اللّٰہ کے نام کا خوبصورت سا کتبہ یا سالانہ اجتماع کے دعوت نامہ کا سرورق فریم کروا کے کسی ایسی جگہ پر رکھیں کہ نظر کے سامنے رہے تاکہ پاس انفاس کرنے میں مدد ملے۔ نفی اثبات ایک دوسرے کے اُلٹ نہیں بلکہ جب تک نفی کامل نہ ہو، اثبات صحیح نہیں ہوسکتا۔ شاہ ولی اللہؒ نے قول الجمیل میں ایک فارسی شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:

جب تک جاروبِ لا سے صفائی نہیں ہوتی
اِلّا اللّٰہ کے مقام تک رسائی نہیں ہوتی

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: **چوھدری محمد حسین صاحب**

مورخہ: 27.04.2004

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ!

حسب روایت یہ ضروری ہے کہ چند برس بعد خادمانِ حلقہ تبدیل کئے جائیں، تاکہ نئے بھائیوں کی بھی تربیت ہو اور خدمتِ خلق کے اس عظیم کام میں ان کے جوہر بھی اُجاگر ہوں۔ اس اجتماع کے بعد گوجرانوالہ، ڈسکہ، نوشہرہ درکاں، ملتان، جڑانوالہ اور فتح پور لیّہ کے علاوہ اسلام آباد کے خادمانِ حلقہ کے فرائض نئے بھائیوں کے سپرد کئے گئے ہیں۔ الحمد للّٰہ! آپ نے یہ فرض نہایت احسن طریقہ سے نبھایا۔ حلقہ اسلام آباد اور سلسلۂ توحیدیہ کے استحکام کیلئے آپ نے جو محنت کی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائے۔ آمین!

آپ آئندہ حلقہ میں، حلقہ اسلام آباد کی خدمت کا چارج جناب عبدالوحید صاحب کے سپرد کریں، جنہیں میں نے آپ کی جگہ خادم حلقہ مقرر کیا ہے۔ اس کی اطلاع اور اعلان سب بھائیوں کے سامنے کر دیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ بزرگ بھائی نئے خادم حلقہ کی مدد اور معاونت فرمائیں گے تاکہ وہ اپنے فرائض بہترین طریقے سے ادا کر سکیں اور حلقہ توحیدیہ مزید ترقی کرے۔

والسلام

ماہ رمضان: بخشش کا پیغام

(پیر خان توحیدی)

اللہ کے فضل و کرم سے ایک سال کی رخصت کے بعد رمضان المبارک کا عظیم اور برکتوں والا مہینہ اپنی تمام تر رحمتوں، مغفرتوں اور برکتوں سے مالا مال، امت مسلمہ پر سایہ فگن ہو چکا ہے۔ ہر جانب رحمتوں کی برسات برس رہی ہے۔ اب کس کے دامن میں کتنا حصہ آتا ہے یہ تو نصیب کی بات ہے۔ اور نصیبوں والے وہی ہوتے ہیں جو اچھے اعمال اور اللہ کو خوش کرنے والے کام کرتے ہیں۔ قانون قدرت کا تقاضا ہے کہ زندگی کی گاڑی یوں ہی رواں دواں رہے گی مگر وقت جتنا کٹتا جائے گا منزل اتنی ہی قریب آتی جائے گی۔ جہاں زندگی کی گاڑی رک جائے گی۔ یہی وہ حقیقی منزل ہوگی جہاں ہر بشر کو طوعاً و کرہاً حاضری دینی ہوگی اور یہ حاضری صرف اس بشر کے لیے فائدہ مند ہوگی جو آگے شروع ہونے والی لا فانی زندگی کے لیے نیکیوں، اچھائیوں اور بھلائیوں کا ڈھیر سارا زادِ راہ ساتھ لایا ہوگا۔ یوں تو ہر دن اور ہر ماہ سعادت مندوں کے لیے، سعادت، خیر اور برکت کا ہی دن اور مہینہ ہوتا ہے۔ لیکن ماہ صوم کی سعادت، خیر و برکت اور نزول رحمت اتنی بے پایاں اور بے حساب ہے کہ اس کا شمار ممکن ہی نہیں۔ اس میں توشہ آخرت تیار کرنے کے لیے پورا ماحول ہم آہنگ اور موافق ہوتا ہے اور روحانی لحاظ سے یہ نیکیوں کا موسم بہار محسوس ہوتا ہے۔ خوش نصیبوں کے لیے یہ خوشخبری ہے کہ وہ ازلی دشمن ابلیس لعین و رجیم جو انسانوں کو گناہ، بدی و برائی اور نافرمانی رب پر اکساتا ہے اور بہکاتا ہے وہ اس مہینہ میں باندھ دیا جاتا ہے۔ جنت کے سارے دروازے کھول کر جہنم کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

اور جنت کا وہ مخصوص دروازہ جسے ''ریان'' کہا جاتا ہے ان روزہ داروں کے لیے کھول دیا جاتا ہے جوایمان اوراحتساب کےساتھ روزہ رکھتے اور ریا سے اجتناب کرتے ہیں۔

وہی دن ہیں، وہی راتیں ہیں، وہی کائنات کالاشریک اور بے مثال تخلیق کار کا مالک اور پالنہار ہے مگر فضاء کچھ اور ہے، کیفیت مختلف ہے، ماحول اور منظر یکسر بدلا ہوا ہے۔ اب کائنات کے مالک کی عنایات اور نوازشات اتنی عام اور اتنی فراوانی کے ساتھ ہیں کہ لینے والے تھک جائیں تو تھک جائیں، وہاں کمی کا کوئی امکان نہیں۔ایک اضافی نیک عمل فرض کا ثواب اور ایک فرض عبادت ستر گنا اجر وثواب، وہ مہربان خدا اس مہینہ میں کچھ زیادہ ہی مہربانیاں کررہا ہے۔کیونکہ یہ اس کا اپنا مہینہ ہے اور اس کا فرمان ہے کہ اس کا اجر بھی میں خود ہی دوں گا۔

ہر کام جو کوئی انسان کرتا ہے اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں، ایک چیز تو وہ مقصد ہے جس کے لیے کام کیا جاتا ہے اور دوسری چیز اس کام کی وہ شکل ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ایک شکل ہے اور اس کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے اندر اللہ کا خوف، اللہ کی محبت پیدا ہو اور اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ جس چیز کے اندر دنیا بھر کے فائدے ہوں مگر اللہ ناراض ہوتا ہو اس سے اپنے نفس پر جبر کرکے بچ جائیں۔ یہ طاقت اس طرح پیدا ہوسکتی ہے کہ روزے کے مقصد کو سمجھنے اور مہینے بھر تک اللہ کے خوف اور اللہ کی محبت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور اللہ کی رضا کے مطابق چلانے کی جو مشق کی ہے، اس سے کام لیتے ،مگر ایسا نہیں ہوتا ہم تو رمضان گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مشق اور ان صفات کو جو اس مشق سے پیدا ہوتی ہے اس طرح پھینک دیتے ہیں جس طرح کھانا کھانے کے بعد کوئی شخص اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کردیتا ہے۔رمضان اور اس کے روزے کوئی جادو تو نہیں کہ بس ان کی ظاہری شکل پوری کردینے سے وہ طاقت حاصل ہوجائے جو روزے سے حاصل ہونی چاہیے۔روزے سے روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم روزے کے مقصد کو نہ سمجھیں اور اپنے دل ودماغ کے اندر اس کو اترنے اور خیال، نیت، ارادہ اور

عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ رب العزت نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا۔

ترجمہ: ''تا کہ تم متقی پرہیزگار بن جاؤ''۔

اس لیے کہ روزے کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور ارادے پر موقوف ہے جو کوئی اس مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعے اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تھوڑا یا بہت متقی بن جائے گا۔ مگر جو مقصد کو ہی نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے گا اسے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید نہیں۔

نبی رحمت ﷺ نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے اور سمجھایا ہے کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

ترجمہ: جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پینا چھڑوا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں۔ دوسری حدیث میں سرکار ﷺ کا فرمان ہے!

''بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ انہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا اور بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو اس قیام سے، رت جگے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

ان احادیث پاک سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں بلکہ عبادت کا ذریعہ ہے۔ اصل عبادت تو خوف خدا کی وجہ سے اللہ کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا اور محبت الٰہی کی وجہ سے اس کام کے لیے شوق سے لپکنا ہے جس میں محبوب کی خوشنودی ہو اور نفسانیت سے بچنا ہے، جہاں تک بھی ممکن ہو۔ روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکار دو عالم ﷺ اس طرح توجہ دلاتے ہیں۔

''جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں''۔

احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اپنے ایمان کے خلاف تو نہیں چل رہا۔

رمضان المبارک عظیم کیوں :

رمضان المبارک کی عظمت یہ ہے کہ اس ماہ کے دامن میں وہ بیش بہا رات ہے کہ اس رات میں ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر خیر اور برکت کے خزانے لٹائے جاتے ہیں۔وہ رات جس میں ہمارے رب نے اپنی سب سے بڑی رحمت ہمارے اوپر نازل فرمائی اور فرمایا:

ترجمہ: ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا۔

یہ کتاب کیا ہے؟ تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہی رحمت۔لیکن حیثیت یہ ہے کہ اس ماہ کا ہر روز روزِ سعید اور ہر شب شبِ قدر رہے۔دن روشن ہوتا ہے تو ان گنت بندوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی اطاعت اور رضا جوئی کی خاطر اپنے جسم کی جائز خواہشات اور اس کے ضروری مطالبات ترک کرتے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کا رب او رمطلوب ومقصود ہے۔اس کی خوشنودی ہی میں دلوں کے لیے سیری اور رگوں میں تری کا سامان ہے رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو بے شمار بندے اللہ کے حضور قیام،اس سے کلام اور اس کے ذکر کی برکت اور لذت سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کے دل شیشے کے چراغوں کی طرح منور ہو کر جگمگانے لگتے ہیں۔اس ماہ کی ہر گھڑی میں فیض اور برکت کا اتنا خزانہ پوشیدہ ہے کہ نفل اعمال فرض کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔اور فرائض ستر گناہ زیادہ وزنی اور بلند ہو جاتے ہیں۔نیکیوں کے رستہ پر چلنے کی سہولت اور توفیق عام ہو جاتی ہے اور روزہ بدی کے راستوں کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

فضیلت رمضان :

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے رمضان کے مہینے میں ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے روزے رکھے اس کے

سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''بخاری''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔(بخاری و مسلم)

مندرجہ بالا احادیث پر اگر غور کیا جائے تو انسان کے لیے حقیقت میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔وہ اس لیے کہ انسان اپنی زندگی کے سابقہ گناہوں سے توبہ کرے اور آئندہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔اس ماہ مبارک کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ اس میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا جو ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔لہٰذا جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے نہ کہ سختی۔(البقرہ)

روزے کے فوائد :

روزہ دار اپنے رویے کے ذریعے شیطان کو مغلوب کرتا ہے اور اپنے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔مشکلات کو برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے اور برائی کا حکم دینے والے نفس پر غلبہ پانے کا ایک موثر ذریعہ بنتا ہے اور ایسے کام سرانجام دینے لگتا ہے جو اللہ کو محبوب ہوتے ہیں اور اس کی رضا کا سبب بنتے ہیں۔

(۲) روزہ تقویٰ حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے دلوں سے گناہوں کے خیالات ختم کرنے کا باعث بنتا ہے، نفس انسانی کی لگام پکڑ کر خطاؤں اور معصیت سے رخ موڑتا ہے روح کو گناہوں کی آلودگی سے پاک صاف کرتا ہے۔

(۳) روزہ ہمیں عبادت کے لیے فارغ وقت مہیا کرتا ہے جسے ہم اکثر چائے نوشی اور دیگر

مشروبات وماکولات میں ضائع کر دیتے ہیں۔

(۴) روزہ سے دلوں کو تازگی اور روح کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔

(۵) روزہ ہمیں غریب و مسکین کی حالت زار کا احساس دلاتا ہے اور ان کی مدد کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔

(۶) روزہ ہمارے گناہوں ،خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کروانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ نفسانی خواہشات کو مٹانے کا سبب بنتا ہے۔

(۷) روزہ ہمیں لڑائی جھگڑوں، گالی گلوچ، بیہودہ گوئی اور جہالت کی باتوں سے روکتا ہے۔

(۸) روزہ ہمیں نیکیاں کرنے اور نیکیاں پھیلانے کی ترغیب دیتا ہے۔

(۹) روزہ ایک ایسا عمل ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور اللہ ہی اس کا اجر دینے والا ہے۔

(۱۰) روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے کا سبب بنتا ہے جس سے اللہ کی رضا اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

رمضان المبارک کیسے گزاریں :

شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔وہ ہمہ وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ انسان کو گناہوں اور برائیوں کی طرف راغب کرے، نیکیوں والے کاموں سے روکے۔چونکہ رمضان المبارک میں تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔عبادت کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے اور شیطان کو باندھ دیا جاتا ہے۔اس لیے یہ لعین رمضان المبارک سے پہلے ہی نفس کو خوب پٹی پڑھاتا ہے۔ چنانچہ رمضان کے آتے ہی اکثر لوگ کھانے پینے اور کمانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی اور منافع خوری عام ہو جاتی ہے۔تاہم رمضان المبارک میں عام دنوں سے زیادہ عبادت میں ان تھک محنت کرنی چاہیے۔رمضان المبارک کے پہلے لمحے سے لے کر آخری دن سورج غروب ہونے تک محنت کا سلسلہ بدستور جاری رہنا ضروری ہے۔چنانچہ فوری طور پر مندرجہ ذیل کام بڑھا دینے چاہئیں۔

(۱) نماز:۔ یعنی فرائض اور واجبات کا خوب اہتمام اور نوافل کی کثرت، رمضان کے اندر تراویح ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس نعمت سے محروم نہ رہے۔ تہجد پڑھنے کا بھی بھرپور اہتمام کیا جائے۔

(۲) تلاوت قرآن اور رمضان دونوں لازم ملزوم ہیں۔ لہٰذا رمضان المبارک میں تلاوت کا اہتمام کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ فرقان حمید کی تلاوت کی جائے۔

(۳) صدقات وخیرات:۔

جن لوگوں کو اللہ رب العزت نے مال و دولت سے نوازا ہے وہ خوب دل کھول کر سخاوت کریں۔ اللہ کی راہ میں اپنا مال خوشی سے خرچ کریں۔ غرباء ومساکین کی سحری اور افطاری کا بندوبست کریں کہ اللہ ان کے مال میں برکت پیدا کرے۔

(۴) آخرت کی فکر:۔

یہ دنیا فانی ہے اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ یہ فکر اور عقیدہ انسان کی اصلاح کے لیے لازمی ہے۔ اس کا زیادہ سے زیادہ محاسبہ اور مذاکرہ کیا جائے۔ تاکہ زیادہ مال جمع کرنے اور ذلیل وخوار ہونے سے نجات مل جائے۔

(۵) اعتکاف:۔

رمضان المبارک کا ایک خاص عمل اعتکاف ہے جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت بھی ہے۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ محبت، احترام، خوشی، اور مکمل آداب کے ساتھ اعتکاف کی عبادت کو غنیمت سمجھیں اور اس سے بھرپور فائدہ حاصل کریں۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ جس نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا اسے دو مقبول حج اور دو عمرہ کا ثواب حاصل ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ ہمیں رمضان شریف کے فیوض وبرکات حاصل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

سالانہ اجتماع سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپریل 2017

(حافظ محمد یسین)

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تاریخ میں سالانہ اجتماع کو بہت اہمیت حاصل ہے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ روح پرور اجتماع 21,22 اپریل بروز جمعہ، ہفتہ کو مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب خان توحیدی مدظلہ کی زیرِ نگرانی منعقد ہوا۔ ہر تنظیم کے کچھ خاص مقاصد ہوتے ہیں جن کے پیشِ نظر وہ ایسے اجتماعات ضرور منعقد کرتی ہے۔جن سے اس کی تعلیمات کا عکس جھلکتا ہے۔بانی سلسلہ نے 1962 میں چوتھے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے خطبے کا آغاز ہی اس بات سے کیا کہ ''وہ تمام جماعتیں جو کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں ایسے اجتماعات ضرور منعقد کرتی ہیں،لیکن فائدہ صرف انہی جماعتوں کو پہنچتا ہے جس کے ارکان ایسے اجتماعات میں منظور ہونے والی تجاویز پر جوش، استقلال اور خلوص سے عمل کرتے ہیں''۔

سالانہ اجتماع 2017 میں شرکت کے لیے بھائیوں کی آمد مرکز تعمیر ملت پر جمعرات کو ہی شروع ہوگئی تھی۔دور و نزدیک کے کچھ حلقہ جات جیسا کہ چوک اعظم، فتح پور، ملتان، گکھڑ اور گوجرانوالہ کے کچھ بھائی جمعرات کو ہی مرکز تشریف لے آئے تھے۔

سالانہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز نماز جمعہ کے بعد تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔تلاوت کلام پاک کی سعادت محترم جناب عتیق عباسی صاحب آف راولپنڈی نے حاصل کی۔ بارگاہ رسالت میں نذرانہ عقیدت ملتان کے بھائی حافظ عبدالکریم صاحب نے پیش کیا۔ اس کے بعد گوجرانوالہ کے بھائی محترم جناب شفیق احمد صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ جس میں انہوں نے شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب خان اور مقامی بھائیوں کی طرف سے آنے والے

مہمان بھائیوں کو خوش آمدید کہا جو اپنی کوناگوں مصروفیات ترک کر کے محض اللہ کی رضا کے لیے اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد قبلہ بابا جان نے کسی بھی جماعت کے لیے، پیار و محبت اور خلوص و ایثار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم میں مثالی پیار و محبت اور ایثار ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا ہماری خوش نصیبی ہے اور ہمیں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمیں اس دور میں قبلہ انصاری صاحبؒ کے توسط سے وہی تعلیم میسر آئی جو نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کبارؓ کو دیا کرتے تھے۔ جس کی بدولت ان نفوسِ قدسیہ کو دنیا کی زندگی میں ہی رضی اللہ و رضو عنہ کا خطاب مل گیا۔ ہمیں پورے اعتماد کے ساتھ اپنی تعلیم دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچانی چاہیے تاکہ قوم کا اخلاق اور کردار مثالی بنایا جا سکے اور ہم مسلمانوں کی نشاط ثانیہ میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

اس کے بعد بھائیوں کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا جس میں سب سے پہلے عتیق عباسی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ان کے بعد عبدالرشید ساہی صاحب نے فکر اقبال کی روشنی میں نوجوانوں کا کردار'' کے عنوان پر اظہار خیال کیا۔ گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد محفل ذکر منعقد ہوئی۔ سید عابد کبیر شاہ صاحب نے حلقہ ذکر کرایا۔ حلقہ ذکر کے بعد قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی۔ اس کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی اور نماز عشاء کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا۔ عشائیہ کے بعد بھائی آرام کے لیے تشریف لے گئے۔ پہلے دن کے اجلاس کی کاروائی میں نقابت کے فرائض راقم الحروف نے سرانجام دیے۔

اجتماع کے دوسرے دن بروز ہفتہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ایصال ثواب کے لیے اجتماعی ختم قرآن پاک کا اہتمام کیا گیا۔ ختم قرآن کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان نے دعا فرمائی۔ قرآن خوانی کے بعد خادمان حلقہ اور مجازین کرام کی شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد یعقوب توحیدی سے مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔

اجتماع کے دوسرے دن کے اجلاس کی کاروائی کا آغاز دن ۱۰ بجے ہوا۔ تلاوت قرآن پاک حافظ عبدالکریم صاحب نے فرمائی اور نعت رسول مقبول ﷺ ماجد محمود توحیدی نے پیش کی۔ سلسلہ تقاریر میں غلام مرتضیٰ صاحب نے ذکر الٰہی کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ ان کے بعد راولپنڈی کے بزرگ بھائی پیر خان توحیدی صاحب نے ''بندگی کے تقاضے'' کے عنوان کے تحت مدلل اور جامع مقالہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس دنیا کے دھندوں میں پھنس کر بھی اور دنیوی زندگی کی ساری ذمہ داریوں کو سنبھال کر اللہ کے قانون اور حکم کی دل و جان سے پابندی کریں نہ کہ دنیا کو چھوڑ کر کونوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں۔ اصل ذکر الٰہی تو یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ سے غافل کرتی ہیں ان میں پھنس کر بھی انسان اللہ سے غافل نہ ہو۔

پسرور کے بھائی صادق علی ڈوگر صاحب نے قبلہ انصاری صاحبؒ کی شخصیت و بزرگی کے حوالے سے بہت خوبصورت واقعات توحیدی بھائیوں کی سماعتوں کی نذر کیے۔

سابقہ ایڈیٹر مجلہ فلاح آدمیت جناب عبدالقیوم ہاشمی صاحب نے اللہ کی یاد سے غفلت کے نتائج پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ سید امین شاہ صاحب آف ملتان نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مختلف موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔ ملتان کے خادم حلقہ فیصل خان صاحب نے سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم اور قبلہ ذار صاحبؒ کی شخصیت کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ ظفر وال کے بزرگ بھائی رانا صفدر علی صاحب نے توحیدی مشن کی ترویج اور فروغ کے حوالے سے اپنی قیمتی آراء سے سامعین کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ درود شریف کی فضیلت پر گفتگو فرمائی کہ درود شریف آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تعلق مضبوط کرنے اور آپ ﷺ سے پیار و محبت بڑھانے کا موثر ذریعہ بھی ہے۔ شجاع آباد کے خادم حلقہ محترم سید عابد کبیر شاہ صاحب نے سالانہ کنونشن اور مرکز و اراکین کا باہمی رابطہ کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

سالانہ اجتماع کے دوسرے دن کے دوسرے اجلاس کا آغاز نمازِ عصر کی باجماعت ادائیگی کے بعد ہوا۔ دوسرے دن کا یہ اجلاس اس لیے بھی بہت اہمیت کا حامل اور خصوصیت اختیار کر جاتا ہے کہ اس اجلاس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ توحیدی بھائیوں سے سالانہ خطاب فرماتے ہیں۔
اس اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کی سعادت راقم الحروف نے حاصل کی جبکہ نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت عبداللہ محمود کے حصہ میں آئی۔

اس کے بعد مدیر مجلّہ فلاح آدمیت جناب احمد رضا خان صاحب نے ''توحیدی مشن کی ترویج اور اسکا طریقہ کار'' کے عنوان پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

اس کے بعد شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ جناب قبلہ محمد یعقوب خان توحیدی نے ''زادِ راہ'' کے عنوان سے اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اپنے خطبے کے آغاز میں آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس کی توفیق سے ہم سب ایک بار پھر اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے کے تجربات اور علم سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

حسب معمول نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا اور حلقہ ذکر کے بعد طالب بھائیوں کے لیے نشست بیعت ہوئی۔ طالب بھائی اپنے اپنے خادمان حلقہ کے ہمراہ بابا جان کے پاس آئے اور توحیدیہ سلوک طے کرنے اور اللہ کی محبت و معرفت کے حصول کے لیے شیخ سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

نماز عشاء کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا اور تقریباً گیارہ بجے محفل سماع کا آغاز ہوا۔ شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب توحیدی سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے جبکہ ان کے دائیں طرف ملتان کے بزرگ بھائی اور مجاز شیخ محترم جناب سید خالد محمود بخاری صاحب اور بائیں طرف چوک اعظم کے بزرگ بھائی جناب لیاقت صاحب بیٹھے۔ معین افضل المعروف چاند قوال وہمنوا نے محفل سماع میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ اور اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت سے لبریز کلام پیش کیے جس سے توحیدی بھائی وجد میں آ گئے۔ محفل سماع کے بعد ترانہ توحیدیہ

پڑھا گیا جس کے بعد شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی جس میں تمام حاضرین، مریدین سلسلہ اور ملک وقوم کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی ترقی اور نشاط ثانیہ کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں

نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد توحیدی بھائیوں نے ناشتہ کیا اور شیخ سلسلہ قبلہ بابا جان سے الوداعی ملاقات کرنے کے بعد اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

یوں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا یہ خوبصورت اور روح پرور اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔

سالانہ کنونشن 2017 کے انتظامات کی ذمہ داری جناب ماسٹر طالب حسین محمد ریاض صاحب، پروفیسر احمد رضا خان صاحب اور ماجد محمود توحیدی کو سونپی گئی تھی جنہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقہ سے نبھایا۔ ان حضرات کی معاونت کے لیے قرب وجوار کے حلقہ جات سے بھائیوں نے رضا کارانہ طور پر کنونشن کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا خصوصاً سید قیصر علی شاہ بخاری، جناب محمد انور مغل، محمد اقبال، عثمان مقصود اور حافظ محمد یٰسین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

23 اپریل بروز اتوار ناشتے کے بعد سلسلہ توحیدیہ کا اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا لیکن حقیقت میں یہ آئندہ سال کے لیے عزم وولولہ اور عمل کا نقطہ آغاز تھا۔ اجتماع کا سماں سارے سال کے لیے ہمارے دلوں میں تازگی اور نیا جوش پیدا کرتا رہے گا۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں اپنی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی محبت نصیب فرمائے اور ہمیں سلسلہ کی تعلیم پر خود عمل کرتے ہوئے دوسرے لوگوں تک یہ تعلیم پہنچانے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

ذکر اللہ کی اہمیت

(ملفوظات: مولانا محمد تقی عثمانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً o

ترجمہ: " اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔"

(سورۃ الاحزاب: آیت: ۴۱)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ذکر کرنا تو صوفیوں کا کام ہے، مولویوں کو اور علماء کو ذکر سے کیا کام؟ علماء کرام کا کام تو یہ ہے کہ وہ وعظ کریں، تبلیغ کریں، تدریس کریں، مطالعہ کریں وغیرہ۔ ذکر کرنا تو صوفیوں کا کام ہے، لہٰذا جب خانقاہ میں جائیں گے تو وہاں ذکر کریں گے۔ مذکورہ آیت میں تو تمام اہل ایمان سے خطاب ہے، بتائیں کہ مولوی ایمان والوں میں داخل نہیں؟

ذکر میں کثرت مطلوب ہے:

مذکورہ آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، صرف ایک دو مرتبہ ذکر کر لینا کافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت ذکر جاری رہے۔ ایک صحابیؓ نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے روز درجہ کے اعتبار سے افضل درجہ کس بندے کا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

الذاکرون اللّٰہ کثیراً والذاکرات۔

"جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں ہیں۔"

دھیان کے بغیر ذکر کرنا:

بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیسا ذکر ہے کہ دل و دماغ تو کہیں اور مشغول ہیں اور زبان سے ذکر کر رہا ہے، لیکن دھیان کہیں فکر کہیں دل کہیں، دماغ کہیں تو ایسے ذکر سے کیا فائدہ؟ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اگر صرف زبان کو اللہ کے ذکر کی توفیق ہو رہی ہے، چاہے دل و دماغ کہیں اور مشغول ہیں، یہ بھی اللہ تعالٰی کی نعمت ہے، یہ بھی ایک دولت ہے کہ تمام اعضاء میں ایک عضو تو اس کی یاد میں مشغول ہے۔ دل و دماغ میں خیالات کی بھرمار کے باوجود ذکر اپنا اثر رکھتا ہے۔ زبان کا ذکر اس راہ میں پہلی سیڑھی ہے، اگر زبان اللہ کے ذکر سے تر نہیں ہوگی تو پھر دل کبھی اللہ کے ذکر سے آباد نہیں ہوگا۔ زبان سے ذکر کرنا اللہ تعالٰی کی طرف بڑھنے کا، اللہ تعالٰی کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اور اللہ کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کا پہلا زینہ ہے۔ اگر ذکر لسانی نہیں تو گویا پہلی سیڑھی موجود نہیں۔ زبان سے ذکر کرتے رہو، چاہے دل لگے یا نہ لگے جمعیت خاطر پیدا ہو یا نہ ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ دھیان سے اللہ کے نام کا ذکر کرتے رہو، رفتہ رفتہ اللہ تعالٰی اسی کے ذریعہ دل کو بھی متوجہ فرما دیں گے۔

ذکر اللہ ایک توانائی ہے:

ذکر ایک انرجی اور توانائی ہے، لہٰذا صبح اُٹھنے کے بعد یہ انرجی اور توانائی حاصل کر لیا کرو، اس لئے کہ اللہ کا ذکر دلوں میں توانائی، ہمت اور روحانی طاقت عطاء کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان کے اندر شیطان اور نفس سے مقابلے کے لئے ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نفس و شیطان کو شکست دینے میں ذکر کو بڑا دخل ہے، پھر ذکر کرنے والا شیطان سے مغلوب نہیں ہوتا، اور ذکر ہی کے ذریعے اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذکر میں مشقت خود نافع ہے:

جب آدمی ذکر کرنا شروع کرتا ہے پہلے مرحلے میں اس کا دل بہت اُلجھتا ہے اوراس کو مشقت معلوم ہوتی ہے، اور جب ذکر کرنے بیٹھتا ہےتو دل نہیں لگتا، گھبرانے لگتا ہے، طبیعت پر گراں گزرتا ہےتو جولوگ ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور ذکر چھوڑ بیٹھتے ہیں، ایسےلوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

ذکر میں زبردستی لگے رہو:

ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھےتو اب دل لگے یا نہ لگے، دل چاہے یا نہ چاہے، دل گھبرائے یا وحشت ہو، لیکن پھر بھی ذکر میں لگا رہے اور دل سے کہہ دے کہ چاہے تو گھبرائے پریشان ہو، مجھےتو یہ کام، یہ ذکر ہر حال میں کرنا ہے۔ جس نے یہ عزم کرلیا تو پھر انشاءاللہ! چند ہی روز میں گھبراہٹ اور پریشانی ختم ہوجائے گی، لیکن اگر گھبراہٹ کی وجہ سے بھاگ کھڑا ہوا، اور ذکر چھوڑ بیٹھا تو پھر دوبارہ ذکر کی طرف لوٹنا مشکل ہوجاتا ہے۔

مشقت والے ذکر کا فائدہ دل لگا کر ذکر کرنے کے فائدے سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ جس شخص کو ذکر میں لطف اور مزہ آرہا ہے اور دل لگ رہا ہے، اس کے ذکر کے اندر تو احتمال موجود ہے کہ شاید یہ حظِ نفس کیلئے ذکر کر رہا ہو اور مزہ اور لطف کی خاطر ذکر کر رہا ہو، بخلاف اس شخص کے جس کو ذکر کرنے میں مشقت ہو رہی ہے، اس کو ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ اور کچھ مقصود نہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ مشقت کے ساتھ ذکر کرنے والا نفع اور ثواب میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ ذکر میں دل نہیں لگ رہا ہے پھر بھی زبردستی دل لگا رہے ہو، تو یہ ذکر اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ بعض اوقات ایسے ذکر میں نورانیت اور روحانیت، کیف اور مزے والے ذکر سے زیادہ ہوتی ہے۔

اصل دین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو، اسی کی تعمیل میں اس کا ذکر ہو، اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق قائم ہو، اس تعلق کو استوار کرنے کی فکر ہو۔ خواہ ذکر کرنے میں مشقت

ہو، طبیعت پر بار ہو، دل لگے نہ لگے، پھر بھی بیٹھ جاؤ اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، اس اطاعت کے نتیجے میں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسی نورانیت اور برکت عطاء فرماتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ ذکر و اذکار بھی سہولت سے پورے ہونے لگیں گے اور اس کا اصل فائدہ رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ حاصل ہوگا۔

جب انسان ابتداءً ذکر کرنا شروع کرتا ہے تو طبیعت پر مشقت ہوتی ہے اور بار ہوتا ہے۔ یہ کیفیت صرف ذکر کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر نئے کام کو شروع کرنے کے بعد اس کام کو کرتے ہوئے مشقت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح ذکر اللہ کے آغاز میں بھی تکلیف ہوتی ہے، اس کو برداشت کیا جائے گھبرا کر ذکر کو نہ چھوڑا جائے، بلکہ دل لگے نہ لگے طبیعت چاہے نہ چاہے، ہر حالت میں ذکر میں مشغول رہو تو ذکر کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر جزو زندگی بن جائے گا اور ذکر اللہ کے بغیر چین نہیں آئے گا۔

بزرگوں نے ذکر میں دل لگانے کا ایک طریقہ ''ذکر جہری'' تجویز کیا ہے کیونکہ اکیلا چپکے چپکے ذکر کرے گا تو اس سے دل اُلجھے گا اور دل گھبرائے گا، اس لئے ذرا بلند آواز سے ذکر کیا جائے اور ذکر میں تھوڑا سا لحن بھی ہو۔ اس طرح ذکر میں دل لگ جائے گا۔ بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ جب ذکر لسانی جہری کرتے کرتے دل میں اللہ تعالیٰ کا خیال پیوست ہو گیا، جم گیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور محبت کا خیال جم گیا تو مقصود حاصل ہو گیا، اور مقصود کے حاصل کرنے کا جو زینہ اور ذریعہ ذکر بالجہر لسانی تھا، اب اس کی ضرورت نہ رہی، لہٰذا جنہوں نے ذکر لسانی چھوڑ دیا وہ شیطان کے دھوکہ میں آ گئے، کیونکہ ذکر بالجہر یعنی ذکر لسانی چھوڑ دیا تو رفتہ رفتہ ذکر قلبی بھی چھوٹ جائے گا۔

دنیا کی محبت

(حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ)

دنیا صرف مال و جاہ کی محبت ہی کا نام نہیں بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی تم ہو وہ سب دنیا ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے ۔ اس کے تمام جھگڑوں ،بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے، البتہ علم و معرفتِ الٰہی اور نیک کام جس کا صلہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگر چہ دنیا میں ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ دنیا سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی محبت دنیا کی محبت نہیں بلکہ آخرت کی محبت ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان پر فریفتہ ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدرِ ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت سنوارتا ہے ۔

یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان بنائے یا کھیتی کرے، نباتات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اس کو دواؤں میں استعمال کرے یا ترکاری و دیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اس کو کھائے اور مزہ اُڑائے اور معدنیات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً برتن اوزار بنائے یا زیور بنوا کر پہنے یا نقد جمع کرے، حیوانات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور کھائے یا ان پر سواری کرے اپنی زینت بڑھائے اور آدمیوں کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ عورتوں کو منکوحہ اور خادمہ بنائے یا مردوں کو غلام اور نوکر خدمت گار بنائے ۔ انہی چیزوں کی محبت کا نام ہوائے نفس ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا، اس کا ٹھکانہ جنت ہے، یاد رکھو! دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور اسی میں اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور، نخوت ، کینہ، حسد، ریاء تفاخر اور تکبر کی حرص پیدا ہوتی

ہے اور جب انسان کو حیات دنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے او راہتدا ء وانتہا کی اس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں ۔ دل دنیا کی محبت میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و تدابیر میں مصروف، حالانکہ دنیا توشۂ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافرانِ آخرت بہ آسانی اپنا سفر ختم کر سکیں گے مگر بے وقوف اور احمق لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے ۔ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہوا اور جنگل میں پہنچ کر سواری کے گھاس دانہ اور سواری کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ساتھیوں سے پیچھے رہ جائے افسوس ہے اس کی اس حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی ختم ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی اپنا نوالہ بنا گئے ۔یاد رکھو! دنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار ہو کر آخرت کا سفر کر رہے ہو،اس لئے تمہیں چاہیے کہ اپنی سواری کیلئے گھاس دانہ بقدر کفایت اُٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کرے وہ بیج بوؤ جس کو آخرت میں کاٹو اور پھر دائمی زندگی آرام سے گزار سکو، اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو گے ۔دنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرے کے کنارے پر آٹھہرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اجازت دے دے کہ جاؤ جزیرے میں اُتر کر ضرورتیں پوری کر آؤ مگر ہوشیاری سے کام لینا ۔جگہ خطرناک ہے اور ابھی طویل سفر سر پر ہے،غرض سواریاں اُتریں اور اِدھر اُدھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں۔

بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گزارنا انہیں

اچھا نہ معلوم ہوا پس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے۔لہٰذا اپنی پسند کے موافق ساری کشتی میں اعلیٰ درجہ کی ہوادار اور فراغ جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گئے۔

اور بعض جزیرہ کی خوشگوار ہوا کھانے اور خوش الحان پرندوں کی سریلی آوازوں کے سننے میں لگ گئے ،سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں اور درختوں کی گلکاریوں میں مشغول ہوگئے مگر پھر جلدی ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے یہاں پہنچ کر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پر بہار و پُر فضا جگہوں پر ان سے پہلے آجانے والے لوگ بستر لگا چکے ہیں لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اور چند لوگ اس ذخیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوش نما سیپیوں اور پہاڑی خوب صورت پتھروں کے چھوڑنے کو ان کا دل ہی نہ چاہا، پس ان کا بوجھ لاد کر انہوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پہنچے کہ کشتی پر سوار ہوں، دیکھا کہ کشتی لبریز ہوچکی ہے کہ اس میں نہ اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے نہ فضول بوجھ کے رکھنے کا کوئی امکان ہے اب حیران ہیں کہ کیا کریں اِدھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور اُدھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی ،غرض قہر درویش بجان درویش ،نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ میں گھس بیٹھے اور کنکروں، پتھروں کے بارِگراں کو اپنے سر پر لاد لیا، اب ان کی حالت کا تم ہی اندازہ لگالو کہ کیا ہوگی کمر الگ دکھے گی، گردن جدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو ان کا ہی دل خوب سمجھے گا۔

اور بعض لوگ جزیرہ کے دل افروز حُسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب بھول گئے، پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہوگئے اور کچھ خبر نہ رہی کہ کہاں جانا ہے، اور یہاں رہ کر کن درندوں اور موذی جانوروں نے ان کے نازک اور خوبصورت بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے، یہی حال بعینہٖ دنیاداروں کا ہے اب تم خود غور کر کے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کون سی مثال چسپاں ہوتی ہے۔

کیا دو محبتیں اکٹھی رہ سکتی ہیں؟

جو شخص اپنی ذات کی ماہیت سے واقف ہوگیا اور معرفتِ الٰہی حاصل کر لی اور جس نے دنیا کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے، جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کا جمع ہونا ناممکن ہے اور جب تک انسان دنیا سے منہ نہ پھیرے گا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدرِ ضرورت دنیا پر قناعت کر کے، بہ اطمینان ہر لحظہ فکر و ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہوگی اگر تمہاری ایسی حالت ہو جائے اور نورِ بصیرت کے مشاہدے سے یہ اسراف منکشف ہو جائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتانے کی حاجت ہی نہیں ورنہ شریعت کے تابع بن کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کس قدر مذمت فرمائی ہے، تقریباً تہائی قرآن اسی دل فریب، سبزہ زار زہر ہلاہل کی برائیوں کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ جنہوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں اور حضور پُرنور ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ تعجب ہے ان لوگوں پر جو عالم بقاء کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائیدار پر فریفتہ ہوں۔

جان لو کہ جو لوگ دنیا کو مقصود سمجھ کر اس کے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کہ ان کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور ان کی فکر کبھی رفع نہیں ہوتی اس کی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی، اس کا رنج و غم کبھی دور نہیں ہو سکتا، سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑے پر لا کھڑا کیا جہاں مُردوں کی کھوپڑیاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ ”دیکھو ابو ہریرہؓ! یہ ہے دنیا کی حقیقت ایک وقت وہ تھا کہ ان کھوپڑیوں میں بھی تمہاری طرح اُمیدیں اور آرزوئیں جوش میں ہوتی تھیں اور حرص و ہوس سے لبریز تھیں، اور آج کس برے حال میں کوڑے پر پڑی ہیں کہ چند روز میں خاک ہو جائیں گی اور ان کا نشان بھی نہ رہے گا اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ جو تمہیں نظر آ رہا ہے وہ تمہاری غذا ہے جس کے پیٹ کے اندر بھرنے میں حلال و حرام کا بھی

امتیاز نہیں ہوتا ، ایک دن تھا کہ رنگ برنگ کے کھانے تمہارے پیٹ میں تھے اور آج یہاں کوڑے پر کس گندگی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں کہ اس کی بو سے لوگ بھاگتے اور ان کو گھن آتی ہے دیکھو یہی پرانے چیتھڑے کسی وقت تمہارے چمک دمک والے لباس تھے اور آج ان کو ہوائیں ادھر اُدھر اُڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا اور دیکھو یہ ہڈیاں کسی دن سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جن پر جانیں دیتے اور قتل وقتال کیا کرتے تھے۔

اے ابو ہریرہؓ ! یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کا قابلِ عبرت انجام دنیا میں ظاہر ہوگیا، پس جس کو رونا ہو روئے۔'' (**ابن ابی الدنیا**) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی ، انہوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بڑھیا بناؤ سنگھار کئے ہوئے زیور و پوشاک پہنے بنی ٹھنی بیٹھی ہے ۔آپؑ نے پوچھا کہ اے بڑھیا!تو کتنے لوگوں سے نکاح کرچکی ہے، بڑھیا نے جواب دیا کہ بے شمار آدمیوں سے، آپؑ نے فرمایا کہ ان شوہروں کا انتقال ہوگیا یا تجھے طلاق دے بیٹھے،بڑھیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی ہمت تو کسی کو نہ ہوئی ہے، میں نے سب کو مارڈالا، یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس ہے کہ ان کو گزشتہ شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی ۔مسلمانو! ہوشیار ہوجاؤ اور سنبھل جاؤ، دنیا بڑی بے وفا ہے اس سے بچو، اس کا جادو ہاروت و ماروت کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے، اگر پرانا نمک جو کی روٹی کے ساتھ کھا کر اور ٹاٹ پہن کر زندگی گزار دو گے تب بھی گزر جائے گی، مگر آخرت کی فکر کرو، وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی بڑی تکلیف کا سبب ہے۔

دنیا کے بارے میں ایک شیطانی وسوسہ :

بعض لوگ دھوکا کھاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف رہے،مگر ہمارا دل دنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے ۔یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے، بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگیں یہ کیسے ہوسکتا ہے،تمہیں دنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانے کی تدبیروں میں لگے رہو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے

کھو بیٹھو گے یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی حرص ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھارے پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اسی قدر پیاس زیادہ لگے گی، بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانے والی ہے اس میں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منہ میں قاتل و مہلک زہر لئے ہوئے ہے۔اس بے وفا کی مفارقت یقینی ہے۔لہٰذا اس کے ہاتھ آجانے پر خوش ہونا اور رہا تھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونوں فضول ہیں۔دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے، جہاں ہمیشہ رہنا نہیں، وہاں اطمینان کیسا۔!

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجا کر مہمانوں کو بلایا اور ان کو اس میں بٹھا کر عطر اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق ان کے سامنے رکھ دیا کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ وہ اب اسی طرح نفع اُٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں ، یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو۔پس اگر کوئی شخص آداب مجلس سے واقف نہ ہو اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھ کر اپنے بغل میں دبائے تو اس کی حماقت پر تمام حاضرین مجلس ہنسیں گے اور اس کا مذاق اُڑائیں گے اور اس کے بعد یہ نتیجہ ہوگا کہ مالک مکان زبر دستی طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھ دے گا تم ہی سوچو کہ اس وقت اس کو کیسی ندامت ہوگی۔اسی طرح دنیا اللہ تعالی کی میزبانی کی جگہ ہے، اس لئے اللہ تعالی کا یہ مقصود ہے کہ آخرت کے مسافر آئیں اور ضرورت کے مطابق اس طرح نفع اُٹھائیں، جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اُٹھاتے ہیں اور اپنی حاجتیں رفع کیا کرتے ہیں اس کے بعد بخوشی اس کو دوسروں کے سپرد کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں آپہنچیں، پس مستعار چیزوں سے دل کا لگانا حقیقت میں چلتے وقت خود کو شرمندہ اور رنجیدہ کرنا ہے۔

فتوت

(سیّد خورشید احمد گیلانی)

یہ درحقیقت فیاضی کا سب سے بڑا اور سب سے آخری درجہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھا جائے، خود بھوکا رہے، دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اُٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

آج کے مادّہ پرستانہ اور خود غرضانہ ماحول میں جس قدر اس تعلیم کو عام کرنے کی ضرورت ہے، شاید گزشتہ دور میں کبھی محسوس کی گئی ہو، آج ہوا و ہوس کا دور دورہ، من و تو کا جھگڑا، مفادات کا چرچا، ''میرا حق، میرا مال، میرا کاروبار'' کا غلغلہ اور ''کچھ لو اور کچھ دو'' کا نعرہ ہر سو گونج رہا ہے، انسان روٹی، پیٹ، نفس، مال، زر، دھن و دولت، مفاد، اور خواہش کا بندہ بن کر رہ گیا ہے، دل ہے کہ ان کے علاوہ کچھ سمجھتا ہی نہیں، دماغ ہے کہ بجز اُن کے کچھ سوچتا ہی نہیں، زبان ہے کہ اس کے سوا بولتی ہی نہیں، کان ہیں کہ اُن کے بغیر کچھ سنتے ہی نہیں، آنکھ ہے کہ ان سے ہٹ کر کچھ دیکھتی ہی نہیں، اللہ! قیامت سے پہلے قیامت کا سماں اور حشر سے پہلے حشر برپا ہے، ایثار، قربانی، فتوت، ترجیح، سخاوت تو بھولی بسری باتیں ہو کر رہ گئی ہیں، اب تو عدل انصاف، مساوات، برابری، تقسیم جیسی اصطلاحات بھی آثارِ قدیمہ بنتی چلی جارہی ہیں، ہر طرف ''میں ہی میں'' کا شور برپا ہے، اس ''اور میرا ہی میرا'' کا شور برپا ہے، اس ''سب کچھ میرا'' کے فلسفے کو بروئے کار لانے کیلئے ہمسایوں کے حقوق تلف کیے جاتے ہیں، کسی بیوہ کے سر سے دوپٹہ اُتارا جاتا ہے، کسی یتیم کا آخری سہارا چھینا جاتا ہے، ایمان وضمیر کا سودا کیا جاتا ہے، قانون کو پامال کیا جاتا ہے،

انصاف خریدا جاتا ہے، انسانیت کچلی جاتی ہے، خون بہایا جاتا ہے، غرض سب کچھ کیا جاتا ہے ، آج اس تحفظ ذات اور مفاد خویش نے انسان کے دل سے رحم اور آنکھوں سے حیاء کو ختم کر دیا ہے، رشتوں کو تقدس اور دوستی کو خلوص سے عاری کر دیا ہے۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو

اسلام نے حق طلبی پر فرض شناسی کو ترجیح دی ہے، لذت کوشی پر آرام رسانی کو فوقیت دی ہے، اسلام انسان کو سوداگر، تاجر، پیشہ ور نہیں، ''حضرت انسان'' دیکھنا چاہتا ہے، جس کے پہلو میں پتھر نہیں دھڑکتا دل ہو، دل میں جذبات کا سمندر موجزن ہو، آنکھوں میں مروّت کی لکیریں ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی دوسروں کو آرام بہم پہنچانے میں گزری، برابر کا حق وصول کرنا کون سا کمال ہے، دوسروں کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہو جانا اصل مقام انسانیت ہے، پھول کے بدلے پھول تو رسم دنیا ہے، پتھر کے جواب میں پھول برسانا معراجِ آدمیت ہے، ''بھلا کر بھلا ہوگا'' تو فقیروں کی صدا ہے، مردانِ خدا ''سب کا بھلا'' مانگتے ہیں، انصار مدینہ کے دیگر اوصاف کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ایثار و قربانی کے وصف کو سراہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو، انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔''

تصوّف کا سارا دارومدار ''**ترکِ خویش**'' پر ہے، صوفیاء ''**لینے**'' کے مفہوم ہی سے واقف نہیں، وہ تو ''**دینے**'' کے عادی رہے، انہیں ''**مخدوم**'' نہیں ''**خادم**'' بننے میں خوشی ہوتی تھی، انہیں حقیقی راحت دوسروں کو راحت پہنچا کر ہوتی تھی، سرمایہ دارانہ جیسے بے رحم نظام کی ناکامی کے بعد سوشلزم اور کمیونزم جیسے بے جوڑ اور غیر فطری نظام کا مقابلہ آج اگر ہو سکتا ہے تو اسی فتوت اور ایثار کی تعلیم کو اسکی روح کے ساتھ عام کرنے سے ہو سکتا ہے، اعلیٰ ہمتی، جوانمردی، بلند ظرفی، سیر چشمی، دریا دلی، اور فراخ حوصلگی کا تعلق اسی فتوت اور ایثار سے ہے،

آج جو پر لے درجے کی خود غرضی ،حرص و ہوس پرستی ، اور تنگ دلی پیدا ہوچکی ہے،اس کا توڑ یہی فتوت یعنی ایثار کا جذبہ ہے۔

صوفیاء کرام نے اسے اپنے ہاں کتنی اہمیت دی ہے،اس کا اندازہ اُن کی کتابوں کے مختلف اقتباسات سے ہوسکتا ہے۔

امام ابوالقاسم القشیری ؒ نے مختلف صوفیاء کرام کے اقوال کے ذریعے اس کی تشریح و توضیح کی ہے۔امام ابوالقاسم قشیریؒ خود ہی فرماتے ہیں:

''فتوت دراصل یہ ہے کہ انسان ہمیشہ دوسرے کے کاموں میں لگا رہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے شیخ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں:

''یہ ایسا کمال ہے جو کما حقہ آپ ﷺ کو حاصل ہے،قیامت میں ہر شخص نفسی نفسی اور آپ ﷺ اُمتی، اُمتی،فرمائیں گے۔''

انہی شیخ ابوعلی دقاق ؒ سے پوچھا گیا فتوت کیا ہے؟ آپ ؒ نے فرمایا:

''انسان اس بات میں قطعاً امتیاز نہ کرے کہ اس کے ہاں ولی کھانا کھارہا ہے یا کافر۔''

موجودہ دور میں خویش پروری اور اقربا نوازی کے مرض کا علاج بجز اس کے کیا ہوسکتا ہے جو اوپر شیخ دقاق ؒ نے تجویز فرمایا کہ انسان فیض رسانی میں اپنے اور پرائے کی تمیز سے بالا تر ہوجائے ،ایک اور مقام پر شیخ ؒ فرماتے ہیں:

''فتوت یہ ہے کہ دس آدمیوں کو دعوت دے تو نو یا گیارہ آجائیں تو تجھ پر گراں نہ گزرے۔''

اسی ضمن میں شیخ ابوالقاسم قشیریؒ نے ایک عبرت آموز اور دل چسپ واقعہ لکھا ہے: جہاں فتوت اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے، یہ ایک ملاقات کا قصہ ہے جو امام جعفر صادق ؒ اور شفیق بلخیؒ کے درمیان ہوئی۔

شفیق بلخی ؒ نے امام جعفر صادقؒ سے پوچھا فتوت کسے کہتے ہیں؟ آپ ؒ نے فرمایا کہ

تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ" اگر کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں، اور اگر نہیں ملتا تو بیٹھ رہتے ہیں، آپؒ نے فرمایا، ہمارے ہاں مدینہ میں کتوں کا یہی شیوہ ہے کہ کچھ مل جاتا ہے تو کھا لیتے ہیں، نہیں ملتا تو چپ ہو رہتے ہیں، شفیق بلخیؒ نے پوچھا، آپؒ فتوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں، اور اگر مل جاتا ہے تو ایثار کر دیتے ہیں۔"

محمد بن الفضلؒ کا قول ہے: زاہد اور مردِ خدا کا فرق بیان کرتے ہیں کہ:

"زاہد اس وقت ایثار کرتے ہیں جب غنی ہوں اور جواں مردوں کا ایثار تب ہوتا ہے جب خود حاجت مند ہوں۔"

متذکرہ اقوال بلاشبہ ایک انسان کو بے لوث، خلوص کا پیکر و ایثار کا پتلا اور دریا دل بنانے میں کافی حد تک معاون ثابت ہو سکتے ہیں، اگر ان باتوں کو عام رواج دیا جائے اور انہیں بار بار ذہن نشین کرایا جائے تو اس سے انسان ترک و تجرد کا متوالا، عافیت کوش اور حجرہ نشین بنتا ہے یا سراپا عمل بن کر میدان میں نکل آتا ہے اور خدا کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے۔ بس یہی تصوف ہے اور کچھ بھی نہیں اور ایسے تصوف پر کوئی شخص کم از کم بقائمی ہوش و حواس اعتراض نہیں کر سکتا۔"

رمضان المبارک کا مہینہ، ذمہ داریاں اور برکات

(پروفیسر محمد شبیر شاھد ھوتوانی)

ویسے تو سال کے تمام ماہ برکتوں والے ہیں، لیکن رمضان المبارک بڑی ہی برکتوں، سعادتوں اور نعمتوں والا مہینہ ہے۔ سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم نازل ہوا۔ قرآن کے ذریعے انسانیت کو ہدایت ملی اور انسان کا ہدایت یافتہ ہونا ہی دراصل روح کی قوت اور تندرستی ہے اور آخرت کی کامیابی ایک کامیاب روح سے منسلک ہے۔ ''رمضان شهر الله'' رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینے سے ربّ ذوالجلال کا خصوصی تعلق ہے جس کی وجہ سے یہ مبارک مہینہ دوسرے مہینوں سے ممتاز اور جدا ہے۔ خصوصی تعلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاصہ اس ماہ مبارک میں موسلا دھار بارش کی طرح برستی رہتی ہیں۔ اس مہینے کو تربیت کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔ اس مبارک ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، نیکیوں کا اجر وثواب بڑھا دیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کی برکات سے تمام چھوٹے بڑے سرکش شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ ابلیس اور اس کی اولاد قید کر لی جاتی ہے۔ لیکن جو انسان شیطانی صفات اپنا کر شیطان بن جاتے ہیں وہ قید نہیں ہوتے، اس لئے اس ماہ مبارک میں بھی قتل وغارت گری، ظلم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ شیاطین تو قید تھے، لیکن اس ظلم کا مشورہ کس نے دیا، کس نے ظلم کرنے پر بہکایا؟۔ درحقیقت انسان شیطان کی پیروی کرتے کرتے خود شیطان بن جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسانوں میں سے جو شیطان بن جاتے ہیں، یہ اس شیطان سے زیادہ خطرناک ہیں، جو جنوں میں ہے۔ اس لئے شیطان تو صرف دِل میں خیال اور وسوسہ ڈال سکتا ہے۔ آپ تعوذ پڑھیں، ذکر اذکار کریں، اللہ، اللہ کریں تو خیال دِل سے رفع ہوسکتا ہے۔ لیکن جو انسان شیطان بن جاتے ہیں وہ آپ کے سامنے برائی کرتے ہیں اور خود برائی کی مثال بن جاتے ہیں بلکہ برائی کی طرف ہاتھ سے پکڑ کر لے جاتے ہیں کہ ایسا کرو۔۔

اللہ کریم نے رمضان المبارک میں اس کا علاج تجویز فرمایا کہ انسان شیطان کی پیروی نہ کرے کیونکہ اس کو کھلا دشمن قرار دیا ہے۔ اس مہینے میں شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، عبادات کا اجر کئی گناہ بڑھ جاتا ہے۔ رحمت الٰہی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کوئی بخشش کا طلب گار ہو تو اسے بخش دیا جائے۔ ماہ رمضان اتنا مبارک ہے کوئی کتنا گناہ گار بھی ہو، خلوص نیت سے توبہ کرے اور روزہ رکھے تو سارے گناہ معاف کرانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن ہم کیسے لوگ ہیں کہ تیس، تیس روزے رکھ کر، مہینہ بھر قیام الیل کر کے، رمضان گزرنے کے بعد بھی ویسے ہوتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ جھوٹ سے باز آئے، نہ لڑائی جھگڑا سے، نہ دھوکہ اور فریب دینے سے۔ ماہ رمضان کے بعد اپنا جائزہ و احتساب ضرور کرنا چاہیے۔ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ کثرت کے ساتھ اطاعت وفرمانبرداری کے کام سرانجام دے اور ہر قسم کے ممنوع کام سے پرہیز کرے، جھوٹ، غیبت، دھوکہ دہی، سودی معاملات اور تمام حرام کردہ چیزیں ترک کر دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جھوٹی بات اور اس پر عمل اور جہالت کے کاموں کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا اور پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ہمارے جب گیارہ مہینے ان دنیاوی کاموں میں گزر گئے، مادیت کا غلبہ رہا، مال و دولت کے حصول اور زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا غلبہ رہا اور قرب کا جو رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

قائم ہونا چاہیے تھا، وہ کمزور ہوگیا۔ایمان میں ضعف آگیا تو اللہ تعالیٰ چونکہ انسان کے خالق و مالک ہیں، وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت انسان جب دنیا کے کاموں میں لگے گا تو ہماری یاد سے غفلت برتے گا اور پھر ہماری عبادت کی طرف اس کا اتنا انہماک نہیں ہوگا۔اللہ کریم نے ایک مہینہ جو اس کی رحمت کیلئے مخصوص ہے عطاء فرمایا کہ اے انسان! تم میرے قریب ہو جاؤ، روحانیت میں جو کمی آگئی ہے تو اس ماہ میں پوری کرلو۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مہینے میں تلاوت قرآن، تراویح اور قرآن کو سننا اور دیگر عبادات، ذکراذکار کر کے روحانی قوت میں اضافہ اور اللہ کے قرب و لقاء کی منزل کو پاتے ہیں۔نوافل، توبہ و استغفار اور تزکیۂ نفس کی فکر جیسے مشاغل میں یہ مہینہ گزارنا چاہیے۔رمضان کے اوقات کی حفاظت کرنا اور عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کوئی لمحہ بیکار نہیں جانے دینا چاہیے۔

یاد رہے کہ روزے تمام اُمتوں پر فرض رہے، اگر چہ روزوں کے احکام مختلف تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت پر چالیس دن کے روزے فرض تھے۔

اعتکاف

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف ایک سنت عمل ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں کی مانند جاری رہتا ہے۔معتکف کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو شب قدر ملتی ہے خواہ سویا ہوا کیوں نہ ہو۔معتکف کا دِل دنیاوی غلاظتوں سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیتا ہے۔معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کے دروازے پر جا پڑے اور اپنی درخواست حاجت پیش کرے۔

عیدالفطر

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہے اور روزہ داروں کیلئے خوشی ہے۔اس لئے کہ روزہ داروں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا۔نمازیں ادا کیں، روزے رکھے، نفس کی خواہشات کو قربان کیا تو اللہ نے یہ انعام عطا فرمایا اور ساتھ ہی کامیابی کا اعلان فرمایا: سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا: ”بے شک کامیاب ہوا، وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا (گناہوں سے) اور اپنے ربّ کا ذکر کیا اور پھر نماز پڑھی۔“

عید کے دن کی حضور اکرم ﷺ کی سنتیں:

☆......عید کے دن غسل کرنا۔حجامت بنوانا، مسواک کرنا۔

☆......حضور نبی کریم ﷺ عمدہ اور بہتر لباس زیب تن فرماتے، خوشبو وعطر لگاتے۔

☆......عید کے موقع پر سیاہ عمامہ شریف باندھتے تھے۔

☆......عید گاہ جس راستے سے جاتے، اس کے خلاف دوسرے راستہ سے واپس تشریف لاتے۔

☆......خطبہ عیدین میں خصوصیت سے صدقہ کی تاکید فرماتے۔عید سے قبل صدقہ فطر ادا فرماتے۔

عید کے روز ابلیس (شیطان) چیخ چیخ کر روتا ہے تو دوسرے شیاطین اس کے اردگرد اکٹھے ہو کر پوچھتے ہیں، اے آقا! کیوں روتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ آج کے روز حضرت محمد ﷺ کی اُمت کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔لہٰذا اب تم پر لازم ہے کہ انہیں شہوات ولذات میں ڈال کر غافل کردو۔“

حضرت مفتی رشید احمد نے احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے اس کے علاوہ فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ جو مسلمان رمضان المبارک میں انتقال کرتا ہے اسے قیامت تک عذاب قبر نہیں ہوتا اور پورا رمضان میں کسی مسلمان اور کسی کافر کو عذاب قبر نہیں ہوتا۔“

اخلاص عمل کی اہمیت

(محمد سلیم)

اسلام نے اس امر پر کافی زور و تاکید فرمائی ہے کہ مومن اپنے جملہ اعمال صالحہ کو خالص اللہ کیلئے انجام دے، ریا کاری اور نفسانی خواہشات سے اپنی عبادات و ریاضت کو دور و محفوظ رکھے۔لیکن اس دورِ فتن میں جب کہ دنیا کے ذہن و دماغ کو مسحور کر دینے والی حسن و زیبائش اپنے شباب پر ہے، جس بناء پر خواہی نہ خواہی اسیرانِ دنیا کی تعداد میں روز افزوں اضافہ اور دین داروں کی شرح فیصد میں دن بدن تنزلی و گراوٹ کا ماحول دیکھا جا رہا ہے، خود مسلم قوم مذہب مہذب کی حدود کو پھلانگ کر اس خوشنما و پرفریب دنیا کی حسن و زیبائش کو پا لینے کی خواہش میں کوشاں نظر آتی ہے کہ اس سے اخلاص و محبت کی وہ قوت و طاقت، دولت و سرمایہ اور روحانیت فناء ہوتی جا رہی ہے، جو جملہ اعمال صالحہ میں روح و جان کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر ان کی عبادت و ریاضت، تقویٰ و طہارت، ذکر و شکر اور دعوتی و تبلیغی امور کی قبولیت و عدم قبولیت کا دارومدار ہے، جن کو خاصی تگ و دو اور شدید مصائب و مشکلات کا سامنا کر کے بروئے کار لایا جاتا ہے۔آج مسلمانوں کو اخلاص و محبت کی اہمیت سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح و فلاح کی فکر کرتے ہوئے خوشنودی رب کے حصول کیلئے اپنے اندر اخلاص کا جذبۂ شیریں جاگزین کریں۔

اخلاص کی تعریف و توضیح:

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالیؒ فرماتے ہیں: ''نیت کسی عمل کے محرک و متقاضی کو کہتے ہیں، یہ محرک اگر ایک ہے تو اس نیت کو خالص کہتے ہیں اور جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں اس عمل کا محرک ہو تو اس میں شرکت ہو گئی، اس لئے وہ خالص نہ رہی۔ مثلاً ایک شخص نے اللہ کیلئے روزہ رکھا ساتھ ہی اس کے روزہ رکھنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ کھانا ترک کرنے سے تندرستی حاصل کرے، ساتھ ہی خرچ اس طرح کم ہو جائے گا یا کھانا پکانے کی مشقت سے نجات حاصل ہو، یا اطمینان کے ساتھ ایک کام کو انجام دے سکے یا صوم کے سبب سے بیدار رہے اور کچھ کام کر سکے۔'' (کیمیائے سعادت: مترجم: ص:۸۳۳)

مخلص کی علامت: کسی دانا سے سوال کیا گیا کہ مخلص کی پہچان و نشانی بیان فرمایئے! فرمایا مخلص وہ ہوتا ہے جو اپنی بھلائیوں کو اس طرح چھپاتا ہے جیسے اپنی برائیوں کو پھر عرض کیا گیا کہ اخلاص کی آخری حد کیا ہے؟ فرمایا: ''اخلاص کی انتہا یہ ہے کہ مجھے لوگوں سے اپنی تعریف سننا پسند نہ آئے۔''

قرآن و حدیث میں اخلاص کی تاکید:

اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے قرآن و حدیث کے ذریعے اپنے بندوں کو جہاں اپنے اوامر و نواہی سے روشناس کیا ہے، وہیں اخلاص فی العمل کی اہمیت و ضرورت کی طرف توجہ دلا کر تاکید فرمائی ہے کہ بندہ جس قدر چاہے اطاعت خداوندی کا اظہار کر لے لیکن اگر اس کے اندر کا جذبۂ اخلاص وللّٰہیت سے خالی ہے تو اس کی یہ ظاہری اطاعت فرمانبرداری اس کے لئے کچھ نفع و ثواب کا باعث نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الزمر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ o اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ

ترجمہ: ''پس اللہ کی عبادت خالص اسی کیلئے کرو اور صرف اللہ ہی کے لئے دین خالص ہے۔''

کسی شخص نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم شہرت اور ناموری کیلئے مال خرچ کرتے ہیں، کیا ہمیں اس پر کوئی اجر ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے، کیا اس صورت میں مال خرچ کرنے کا اجر ملے گا، اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صرف اس کا عمل قبول فرماتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کرے''۔
(ضیا القرآن: ۴، صفحہ: ۲۵۸)

ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص احسان کرتا ہے یا صدقہ دیتا ہے مگر اس کو یہ بات محبوب ہے کہ لوگ اس کی تعریف بھی کریں اور ثواب بھی ملے تو آپ ﷺ نے اس کے سوال کا جواب مرحمت نہیں فرمایا، یہاں تک اللہ نے آیت کا نزول فرمایا کہ ربّ کریم اپنے خاص بندوں کی خصوصیت سے ارشاد فرما رہا ہے کہ وہ میرے اس قدر مخلص بندے ہیں کہ اپنی طاقت و وسعت کے مطابق مستحقین پر خرچ کرتے ہیں لیکن اس نیکی کا بدلہ دنیا میں طلب نہیں کرتے بلکہ جو بھی عمل کرتے ہیں اس کا مقصود واحد رضائے الٰہی ہوتا ہے''۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے میری بات سنی اور اسے دوسروں تک پہنچایا: تین باتیں ایسی جس سے کہ (ان کے ہوتے ہوئے) مومن کا دل فریب نہیں کھاتا:

1- عمل کو اللہ کیلئے خالص کرنا۔
2- مسلمانوں کے رہنماؤں کے ساتھ خیر خواہانہ سلوک کرنا۔
3- جماعت مومنین سے الگ نہ ہونا کیونکہ انکی دُعائیں ان لوگوں کو اپنے دامن میں لے لیتی ہیں جو ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ جس شخص کا مقصد و نیت دنیا طلبی ہوگی فقر و فاقہ کا ڈر اس پر مسلط کر دے گا، اس کی جائیداد کو پراگندہ کر دے گا اور اسے اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہو چکا ہے اور

جس کا مقصد و نیت آخرت طلبی ہوگی، اللہ تعالیٰ اسے غنی کردے گا، اسکی جائیداد کی نگہداشت کرے گا، اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے قدموں پر گرے گی۔" **(رواہ ابن ماجہ و دارمی)**

اگر عبادت، ذکر و فکر صدقہ و خیرات اور اعمال صالحہ کے وقت محض رضائے الٰہی مقصود ہے تو ثواب کا مستحق و حقدار ہوگا ورنہ ریاء کی نیت کے ساتھ دنیاوی فائدہ ملحوظ خاطر ہے تو اجر و ثواب کی کوئی توقع رکھنا سوائے حسرت کے کچھ نہیں۔

اسلام نے ہر امور دینیہ میں اخلاص نیت پر بدرجہ کمال زور دیا ہے۔ انسان جب اپنے نفس سے مغلوب ہوجاتا ہے تو ریاء کی مہلک وادی میں گر کر اپنے اعمال کے اجر و ثواب سے محروم تو ہوتا ہی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کا بھی مستحق و سزاوار بن جاتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ (4) الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (5) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُوْنَ (6) وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ o (سورۃ الماعون)

ترجمہ: پس ان نمازیوں کیلئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور دکھاوا کرتے ہیں۔"

حدیث پاک میں ہے کہ ریاء کاری بھی شرک ہے۔ حضرت شدّاد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا، اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ دیا اور اس نے شرک کیا۔ (مشکوۃ المصابیح، ص:۴۵۵)

اخلاص کی مثال:

جب ہماری نگاہیں سلف صالحین کے اخلاص سے متعلقہ واقعات پر گزرتی ہیں تو ہمارے دل و دماغ روشن ہوجاتے ہیں، نیز ایمانی روح عش عش کر اُٹھتی ہے:

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اخلاص کے معاملہ میں اس قدر احتیاط سے کام

لیتے تھے کہ وہ کسی سے ہدیہ تک قبول نہیں فرماتے تھے۔ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس ہدیہ لیکر گیا تو آپؒ نے قبول نہیں فرمایا اور کہا کہ ممکن ہے کہ تم نے کبھی مجھ سے درس لیا ہو،اس شخص نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے کبھی آپ سے درس حدیث نہیں لیا،آپؒ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو لیکن تمہارا بھائی مجھ سے پڑھتا ہو تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اس ہدیہ کی وجہ سے میں تمہارے بھائی پر زیادہ شفقت نہ کرنے لگ جاؤں۔(کیمیائے سعادت)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بڑی مشکل سے کسی دشمن خدا پر غالب آئے اور اس کے سینے پر اس نیت سے بیٹھ گئے کہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیں،لیکن اسی دوران اس کافر نے آپؓ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا،اسکے تھوکتے ہی آپؓ نے اسے چھوڑ دیا اس کو بڑا تعجب ہوا، پوچھا: اے علیؓ! بڑی مشکل سے مجھ پر غالب آئے تھے پھر تم نے مجھے چھوڑ کیوں دیا۔؟ آپؓ نے فرمایا: پہلے خالص اللہ کیلئے تجھے واصل جہنم کرنے کا ارادہ تھا،جب تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا،اس وجہ سے نفس کا معاملہ آڑے آگیا،اور اخلاص نہ رہا،اسی وجہ سے میں نے تیرے قتل سے ہاتھ روک لیا،یہ سن کر وہ کافر اسلام لے آیا۔

اخلاص کی برکت:

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اخلاص کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچنے والے اعمال صالحہ کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حساب و کتاب ہے،جس کو بندہ مخلص بروز قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور اس کے انعامات سے مستفیض ہوگا،لیکن دنیا میں بھی مخلص بندے کو متعدد برکات و حسنات سے نوازا جاتا ہے،مثال کے طور پر یہاں ایک واقعہ پیش ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ ریاضت کے ابتدائی ایام میں شام کے مشہور شہر دمشق کی ایک مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ کوئی صورت ایسی ہو جائے کہ مجھے

اس مسجد کا متولی بنا دیا جائے، چنانچہ آپؒ نے اعتکاف پر اعتکاف کئے اور اتنی کثرت سے نمازیں پڑھیں کہ ہر شخص آپؒ کو ہمہ وقت نماز میں مشغول دیکھتا لیکن کسی نے بھی آپؒ کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک سال بعد جب آپؒ مسجد سے باہر آرہے تھے تو ندائے غیبی آئی۔ اے مالک بن دینار! اب تجھے تائب ہو جانا چاہیے چنانچہ اب آپ کو اپنی ایک سال کی خود غرضانہ عبادت پر شدید رنج و شرمندگی ہوئی اور آپؒ نے اپنے قلب کو ریاء سے پاک کر کے ایک شب خلوص نیت سے عبادت کی تو صبح کے وقت دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک مجمع ہے جو آپس میں کہہ رہا ہے کہ مسجد کا انتظام ٹھیک نہیں ہے، لہٰذا اس شخص کو متولی بنا دیا جائے اور تمام انتظامی امور اسکے سپرد کردیئے جائیں۔ پورا مجمع آپ کے پاس پہنچا اور عرض کی کہ ہم باہمی متفقہ فیصلے سے آپ کو مسجد کا متولی بنانا چاہتے ہیں، یہ سن کر آپ حیران رہ گئے اور اللہ کے حضور عرض گزار ہوئے کہ اے اللہ! میں ایک سال ریاء کارانہ عبادت میں اس لئے مشغول رہا کہ مجھے مسجد کی تولیت حاصل ہو جائے مگر ایسا نہ ہوا اور اب جب میں صدق دل کے ساتھ ایک رات تیری عبادت میں مشغول ہو تو تیرے حکم سے مجھے متولی بنانے آپہنچے اور میرے اوپر یہ بار ڈالنا چاہتے ہیں لیکن میں تیری عظمت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نہ تو اب تولیت قبول کروں گا اور نہ مسجد سے باہر نکلوں گا۔ یہ کہہ کر پھر عبادت میں مشغول ہوگئے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص: ۲۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص فی العمل کو سمجھنے اور اپنی نیتوں کو اللہ کیلئے خالص کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

esktop\IMG-20
not found.

عمل کی اہمیت

(محمد بن یعقوب)

یقین محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

علامہ محمد اقبالؒ اللہ کے فقیر اور عظیم شاعر تھے۔انہوں نے اپنی شاعری کو ہندوستان اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے استعمال کیا۔آپؒ کے ایک ایک شعر میں قرآن پاک کی آیات کی آسان تشریح ہے ۔اوپر لکھے گئے شعر میں علامہ محمد اقبالؒ ہم مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کا آسان ترین طریقہ بتا رہے ہیں۔

''یقین محکم'' کہ ہمارا اللہ پہ پختہ یقین ہو، سب کچھ اللہ کی طرف سے ہونے پر کامل ایمان ہو کہ وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہے، وہی ہمیں روزی دیتا ہے اور اسی کو ہم سب نے ایک دن حساب دینا ہے۔وہی ہمارا رب ہے اور وہی مالک یوم الدین ہے۔جب ہمیں یہ یقین ہوگا تو ہمارا عمل نیک ہوگا جو کہ اقبال کا دوسرا نکتہ ہے۔نہ صرف اچھا اور نیک عمل بلکہ مستقل مزاجی سے ایسے اعمال کیے جائیں جو کہ اللہ اور اس کے بندوں دونوں کو پسند ہوں۔بقول مرزا اسد اللہ غالب

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو گاڑھو کعبے میں برہمن کو

ہمارا دین ہمیں اچھے اعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے، چاہے عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اگر اچھی نیت اور مستقل مزاجی سے کیا جائے تو اللہ کو قبول ہوگا۔قطرہ قطرہ پانی چٹانوں میں بھی راستہ بنا دیتا ہے۔اچھے اعمال اللہ کے لیے کیے جائیں یا اللہ کی مخلوق کے لیے مقصد صرف

اللہ کی خوشنودی ہو۔لوگوں سے پیاراورمحبت سے پیش آیا جائے۔

فرمایا"تم میں سے بہترین وہ ہے،جس کا اخلاق سب سے بہتر ہے"۔

اللہ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے ہمیں دنیا کے تمام لوگوں سے محبت کرنا سکھائی ہے،ان سے بھی جنہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔محبت ہمارے لیے فاتح عالم کا ذریعہ بن سکتی ہے۔اللہ سے محبت اچھے اور نیک کاموں سے محبت،اللہ کی مخلوق سے محبت،محنت سے محبت،ایمانداری اور اچھے اخلاق سے محبت،اچھے کاموں سے محبت۔ یہ وہی راز ہے،جس کی وجہ سے آج کی بڑی قومیں ترقی کے اونچے زینوں پر موجود ہیں۔

محبت سے ہی پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

اقبال نے مختصرترین الفاظ میں ہمیں دنیا اور آخرت میں کامیابی کا نسخہ بتا دیا ہے۔ اللہ پر پختہ یقین،یعنی ایمان،مسلسل اچھے اعمال اوراعلیٰ ترین اخلاق اور محبت۔اسلام اچھے برتاؤ اور ایمان دارانہ لین دین سے پوری دنیا میں پھیلا،نہ کہ تلوار اور اسلحے کے زور سے۔یہی آسان ترکیب ہے،جس کی طرف ہمیں ڈاکٹر محمد اقبالؒ متوجہ کررہے ہیں۔

آج اگر ہم پھر اپنے انفرادی واجتماعی اعمال کواسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں تو اللہ کی نصرت و رحمت ہمارے ساتھ ہے اور ہم پھر وہی مقام حاصل کر سکتے ہیں جس پر ہمارے اسلاف فائز تھے۔ یہی اقبالؒ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

غزوہ بدر ،ملت اسلامیہ کے لیے درس جہد وعمل

(ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی)

اسلام اللہ سے ایک مضبوط عہد وپیان کا نام ہے جس میں آدمی زبان سے اقرار اور پھر عمل سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں ۔میری زندگی کی صداقتیں اسی حوالے سے ہیں اور میرے دل کی دنیا اسی سے روشن ہے ۔دنیا کی بڑی سے بڑی چاہت اور بڑی سے بڑی محبت اس راستے میں اگر حائل ہو گی تو میں اسے پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹانے میں دریغ نہیں کروں گا ۔دنیا کا بڑے سے بڑا جذباتی تعلق اس تعلق پر میں قربان کر دوں گا ۔مکہ معظّمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں مسلمانوں نے ایمان لانے کے بعد قدم قدم پر اس کا ثبوت دیا ۔صدیوں کے جمے ہوئے خیالات کو توڑ ڈالا ۔ آبائی اعتقادات کو اللہ کے دیے ہوئے عقیدوں پر قربان کر دیا ۔تمام خونی اور جذباتی تعلقات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تعلق پر فدا کر دیے ۔محبت اور وفا کی اس آزمائش میں کوئی ایسا امتحان نہیں جس سے مسلمان نہ گزر رہے ہوں ۔کیونکہ محبت چیز ہی ایسی ہے جس میں ہر طرح کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے اور اس راستے میں نہ صرف زخم کھانے پڑتے ہیں بلکہ ان زخموں کو پھول سمجھ کر اس پر فخر بھی کیا جاتا ہے ۔اس لیے اقبال مرحومؒ نے حضرت بلالؓ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

نہ چھوٹا وہ آستانہ تجھ سے ایک دم کے لیے کسی کے عشق میں تو نے مزے ستم کے لیے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

مگر یہ تمام آزمائشیں اور امتحانات ابھی تک جسم و جان کے رشتے کے لیے چیلنج نہیں بنے تھے ۔حتیٰ کہ ہجرت کا سفر پیش آیا اور جسم و جان کے رشتے اور ایمان کے سرمائے کو باقی رکھنے کے لیے مسلمانوں نے مال و دولت کو تو چھوڑا ہی تھا وطن چھوڑنے کا بھی فیصلہ کرلیا ۔اسی طرح مدینہ میں ایک ایسی پناہ گاہ میسر آگئی جس میں اپنی مرضی سے اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا تھا ۔مگر ابھی ایک سال نہیں گزرا تھا کہ غزوہ بدر کی صورت میں اس راستے کی سب سے بڑی آزمائش نے مسلمانوں کو دعوت دے ڈالی ۔مدینہ منورہ سے 80 میل کے فاصلے پر بدر کی وادی میں ایمان و کفر کا یہ فیصلہ کن معرکہ برپا ہوا ۔جسے قرآن کریم نے ''یوم الفرقان'' یعنی فیصلے کا دن قرار دیا ۔یہ غزوہ ایک ایسی کسوٹی تھی جس نے کھوٹے کھرے کا فیصلہ کردیا ۔یہ غزوہ جہد وعمل کی ایک ایسی داستان ہے جس میں قدم قدم پر مسلمانوں کے لیے درس عبرت بھی ہیں اور حوصلے کا سامان بھی ۔کہ ایک طرف کفار کا لشکر ہے جنہیں اپنی فیصلہ کن افرادی قوت پر ناز ہے ۔جس کا ہر سپاہی لوہے میں ڈھل کر نکلا ہے ۔جسے کمک اور رسد کی کمی کا کوئی شکوہ نہیں اور پھر یہ لشکر پہلے سے بدر کی وادی میں آن پہنچا ہے اور جنگ کے اعتبار سے بہترین جگہوں پر قابض ہو چکا ہے ۔دوسری طرف خدا کا نام لینے والوں کا ایک مختصر سا لشکر ہے جس کی اکثریت نہتوں پر مشتمل ہے ۔جس کی افرادی قوت انتہائی قلیل اور اسلحہ جنگ نہ ہونے کے برابر ہے ۔مگر ان کا اعتماد اور بھروسہ اس ذات پاک پر ہے جو ان کا خالق و مالک ہے اور جس نے انہیں ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے حفیظ مرحوم نے ٹھیک کہا۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں، آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ آج دنیا بھر کی تقدیریں
نہتے تھے مگر تسکین و اطمینان رکھتے تھے
کہ ساماں پر نہیں، ایمان پر ایمان رکھتے تھے

ان کی سرفروشی کے اس واقعہ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ درس دیا کہ جنگ میں ہار جیت کا دارو مدار افرادا ور آلات جنگ کی کثرت پرنہیں ہوتا بلکہ اس راستے کی سب سے بڑی قوت اللہ پر ایمان اور اپنے اصولوں کی سچائی پر یقین ہے ۔ پھر اس غزوہ کے آئینہ میں دوسری بات جو ہمیں بہت نمایاں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ آمنے سامنے دونوں لشکر ایک دوسرے کے لیے بیگانہ نہیں تھے ۔ بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ باہم قرابت داری کے رشتے بھی رکھتے تھے ۔ بالخصوص مہاجرین، قریش قبیلے کے ہی افراد تھے ۔ حضرت حذیفہؓ دیکھ رہے تھے کہ سامنے میرے چچا اور میرے باپ مد مقابل ہیں ۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے ماموں کے خلاف تیغ بدست تھے ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے ہی بیٹے کو خون میں نہلا دینے کے لیے تیار تھے ۔ یعنی مسلمانوں کا ہر فرد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے رشتے پر اپنا ہر رشتہ قربان کر چکا تھا اور اپنے عمل اور سرفروشی سے یہ ثابت کر رہا تھا کہ۔

محمد ﷺ کی محبت آن ملت شان ملت ہے
محمد ﷺ کی محبت روح ملت جان ملت ہے
محمد ﷺ ہے متاع عالم ایجا د سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولا د سے پیارا

اسی طرح ایک تیسری بات جو ملت اسلامیہ کے لیے ایک لمحہ فکریہ مہیا کرتی ہے وہ رسول اللہ کی دعا کے الفاظ ہیں ۔ آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ یا اللہ میں اپنی چودہ سالہ محنت کا ثمر لے کر میدان میں حاضر ہو گیا ہوں ۔ یہ لوگ سر کٹوانے اور اس راستے میں سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار کھڑے ہیں ۔ لیکن الٰہی ایک التجا ہے کہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ آج ہلاک ہو گیا تو قیامت تک تیری پوجا نہ ہو گی ۔ تیری توحید کا نام لینے والا نہ ہو گا ۔ یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ

یہ لوگ تیرے فوجدار ہیں۔انہوں نے اپنا سب کچھ تیرے حوالے کر دیا ہے۔ان کی دوستی اور دشمنی تیرے حوالے سے ہے۔ان کی ہلاکت کا معنی یہ ہے کہ تیری دوستی ناپائیدار، تیرا اعتماد کمزور اور تیرا تعلق ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔پروردگار نے جواب میں فتح اور کامیابی کی نوید سنائی اور حضور اکرم ﷺ کے لب مبارک نوید فتح سے آشنا ہوئے۔اس طرح کفار کو ذلت کی شکست سے دوچار ہونا پڑا اور مسلمانوں کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی۔اس میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے حضور ﷺ نے عرض کیا تھا کہ الٰہی اگر تو اپنے دین اور توحید کو باقی رکھنا چاہتا ہے تو ان لوگوں کو باقی رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرما لیا اور اس امت کی بقا کا سامان اس شرط کے ساتھ کر دیا گیا کہ اب اس امت کی بقاء کا دارو مدار خدمت دین اور توحید کی حفاظت پر ہے اور یہ امت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک یہ اپنا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔اب ہمیں سوچنا ہوگا کہ جس شرط پر ہمیں یہ بقاء اور عافیت ملی تھی کیا ہم نے کبھی اس شرط پر غور کیا؟ کیا آج ہماری ساری عملی زندگی کی جدو جہد اسی مقصد کے لیے ہے؟ جس مقصد کو پانے کے لیے ہمیں باقی رکھا گیا تھا۔اگر ایسا ہے تو ''لائق صد مبارک باد'' ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس اُمت کے ذمہ داروں کو سوچنا ہوگا۔

ایک اور بات اسی غزوہ سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں پیش کیا پھر کامیابی کے لیے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور مسلمانوں نے بھی، چاہے اس میں بچے ہوں، جوان ہوں یا بوڑھے، سرفروشی کی وہ داستان رقم کی کہ تاریخ جس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔بچوں نے ایڑیوں پر کھڑے ہو کر اپنے آپ کو بڑا ثابت کر کے جنگ میں شمولیت کی اجازت چاہی۔حتیٰ کہ انہی بچوں میں سے دو نے ابو جہل جیسے لعین کو جہنم رسید کیا۔جوانوں اور بوڑھوں نے ایثار و قربانی کا حق ادا کیا۔مال و دولت دنیا اور رشتہ و پیوند تو وہ پہلے ہی قربان کر چکے تھے، جسم و جان کا ایک رشتہ باقی تھا آج اس کو قربان کر دینے کے

لیے ہر کوئی دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتا تھا۔ اس طرح اپنا سب کچھ اللہ کے سامنے پیش کر دینے کے بعد پھر فتح ونصرت کی دعا کر کے امت مسلمہ کے لیے جہد وعمل کا ایک راستہ کھولا کیونکہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتوں، اپنی وفاؤں حتیٰ کہ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی اللہ کے راستے میں قربان کر دینے کے لیے تیاری نہ کر لی جائے اس وقت تک پروردگار کی جانب سے تائید ونصرت کی نوید نہیں آتی۔اس لیے شاعر نے کہا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھا سے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہوتو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف کئی مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا۔مثلاً ایک دفعہ کھانا کم پڑ گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھانے کے بچے ہوئے ٹکڑے اکٹھے کر کے میرے سامنے رکھے جائیں۔جب آخری ٹکڑا تک بھی مسلمانوں نے لا کر رکھ دیا تب حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور اس کھانے میں اضافہ ہوگیا۔اسی طرح حدیبیہ کے میدان میں جب پانی ختم ہو گیا اور مسلمانوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اس انصاری صحابیؓ کو طلب فرمایا جس کے پاس حضور ﷺ کے استعمال کے لیے پانی موجود رہتا تھا۔اس نے عرض کیا کہ حضور میرا مشکیزہ بھی خالی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مشکیزہ لاؤ۔آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک پیالے میں رکھا اور مشکیزے کو انڈیلنے کا حکم دیا۔اس مشکیزے میں بچا ہوا آخری قطرہ جب حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک سے ٹکرایا تو پانچوں انگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑے۔یہ اصل میں اس بات کا اظہار تھا کہ تم اپنے پاس موجود چیز کا جب تک آخری حصہ بھی اللہ کے راستے میں پیش نہیں کر دو گے اس وقت تک مدد نہیں آئے گی۔یہی کچھ غزوہ بدر میں ہوا کہ مسلمانوں نے جب سب کچھ اللہ کے سامنے

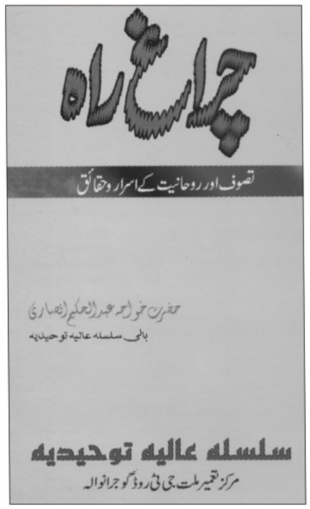
پیش کر دیا تو تب حضور اکرم ﷺ نے فتح ونصرت کے لیے دعا مانگی ۔تو آسمانوں سے پانچ ہزار فرشتوں کی فوج اتری اور اللہ نے ایسی مدد فرمائی جس نے دنیا کی تاریخ بدل ڈالی ۔آج تک اسلام ایک مذہب تھا اور اب غزوہ بدر کے بعد اسلام مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا ۔بقول اقبالؒ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

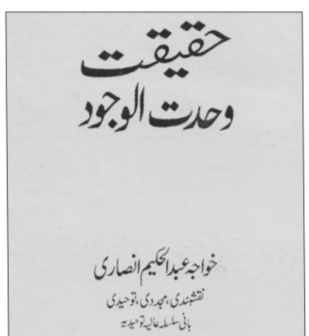
دعائے مغفرت

راولپنڈی سے بھائی اکرام صاحب
چوک اعظم سے بھائی حمید صاحب کی والدہ
گکھڑ سے بھائی حاجی احمد کی ہمشیرہ
گکھڑ سے بھائی محمد آصف کی خالہ
اور بھائی وسیم شہباز کے انکل
نوشہرہ ورکاں سے بھائی عارف صاحب کے چچا
ملتان سے سید امین شاہ بخاری کے ماموں زاد بھائی احمد رضا شاہ
اور خالد محمود بخاری کا جواں سال بھتیجا
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)
اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ۔
برادران مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

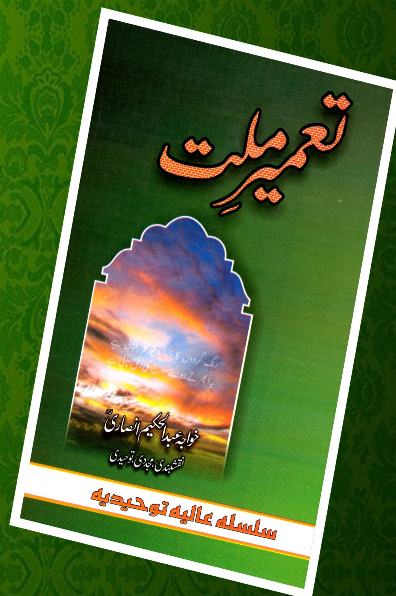


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشھود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہٗ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com